بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

کتاب لاجواب و تاریخ دید

گمگشتہ حالات اجودھیا اودھ

یعنی

تاریخ پارینہ مدینۃ الاولیاء

مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم و مغفور اودھی کی اصل نایاب فارسی تاریخ

اور یادداشتوں کا ترجمہ مع حواشی و زوائد

جس میں

شہر اودھ کے جملہ اولیاء اللہ بزرگان دین صوفیائے کرام اور انکے خاندانوں

کے حالات و مزارات درج ہیں مع ثبوت قبر حضرت شیث علیہ السلام در اودھ و بنائے شہر اودھ

مرتبہ

غفار صاحب ابن مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم امام مسجد جامع

بابری اودھ نبیرہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم و مغفور

بار:- دوئم - سنہ ۱۹۸۱ء

مطبوعہ:- نامی پریس - خواجہ قطب الدین روڈ - لکھنؤ -

(ادارۂ شرعیہ حنفیہ نظامیہ دارالافتاء والقضاۃ الشرعیہ فرنگی محل لکھنؤ الہند)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــــــ ہمارے ملک کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جو سلف صالحین کے نقوش قدم سے محروم ہو ورنہ ملک کا چپہ چپہ زبان حال سے ہمارے گذشتہ بزرگوں کی تاریخ و احوال ہمکو سنانے کیلئے بیچین ہے۔ یہ ہماری بدبختی ہیکہ آثار ماضیہ کی شکل میں تاریخ کے بکھرے ہوئے وراق ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن انکی زبان سے ناواقف ہونیکے باعث سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ نھیں اوراق پارینہ میں ہمارے لئے وہ عبرت و نصیحت پوشیدہ ہے جسکو ہماری زندگی کے سفر میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے ـــــــ ہماری تہذیب و تمدن، ہمارے اخلاق و محاسن اور مذہبی شعور یہ سب ورثہ میں جو ہمارے بزرگوں سے نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے ہوئے ہم تک پہونچے ہیں۔ بس وہ کون لوگ تھے جنکو ان قدروں کی حفاظت رگ جاں سے بڑھکر عزیز تھی اور کس محنت و جانفشانی سے ان بزرگوں نے ان قدروں کو ہم تک پہونچایا۔ انھیں باتوں کی ترتیب و تدوین تاریخ و تذکرہ کہلاتی ہیں اور تاریخ و تذکرہ ہماری زندگی کے اندھیروں میں اجالا پیدا کرتے ہیں ـــــــ پیش نظر کتاب گم گشتہ حالات اجودھیا۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی یادداشتوں پر مشتمل مولوی عبدالغفار صاحب کی ایک قابل قدر کاوش ہے جسمیں اودھ اور متعلقات اودھ کے تاریک گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں اجودھیا کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے جس سے ہر کس و ناکس بخوبی واقف ہے لیکن اس بات سے شاید کم ہی لوگ واقف ہوں کہ یہ صرف اہل ہنود ہی کیلئے ایک متبرک مقام نہیں ـ بلکہ مسلمانوں کیلئے بھی ایک باعظمت مقام ہے جہاں سیکڑوں کی تعداد میں ایسے بزرگ آسودۂ خواب ہیں جنھوں نے اور اعلان کلمۃ الحق کیلئے اپنی زندگیاں قربان کیں۔ وہ کون لوگ تھے۔ ان کی نشاندہی اس کتاب میں کسقدر شرح و بسط کیساتھ کی گئی ہے اور بڑی کاوش کے ساتھ ان کے حالات کی تحقیق کی گئی ہے اسکی ثقاہت تو کوئی مورخ ہی پرکھ سکتا ہے۔ لیکن مجھ جیسے عامی کیلئے یہی بہت کافی ہے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را ❊ گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

خادم العلم ابوالکلام محمد حبیب الحلیم غفر لہٗ فرنگی محل لکھنؤ

دارالافتاء فرنگی محل لکھنؤ۔ ۲۲ رجمادی الثانی ۹۹ھ مئی ۷۹ء بروز یکشنبہ

دیباچہ

اسلام نے جو کچھ بھی اسلامی اور اخلاقی عظمت دنیا میں دکھائی وہ سب یقیناً بزرگانِ دین کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات اور ان کے اثرات کے باعث تھا۔ جیوں جیوں بزرگانِ دین جنت ابدی میں پیوستہ ہوتے گئے اور ان کے اقوال و احوال و اثرات کو مسلمانوں نے لاپرواہی سے دیکھنا شروع کیا مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی صفات ان سے بتدریج کم ہوتی گئیں ان کے دل و دماغ اور اعضاء سب ہی نکمے ہوتے گئے۔ ظاہر ہے کہ روحانی اور اخلاقی طاقتوں کا تعلق انسان کے جسم اور روح کے ساتھ چولی دامن کی طرح کیا لازم و ملزوم ہے دونوں کا علاج بغیر دوسرے کے ممکن نہیں۔ نہ تو روح جسم سے علاحدہ ہے نہ جسم اس سے الگ۔ اخلاقی اور روحانی صفات ہی انسان کو انسان بناتی اور دین و دنیا کے حسنات دلاتی ہیں۔ ظاہر کہ اخلاقی اور روحانی بیداری مسلمانوں میں پیدا کرنے کیلئے اولیا اللہ و بزرگان دین، صلحا و علماء کے اخلاقی و روحانی حالات کا عام طور پر بتایا جانا کس قدر ضروری ہے ان کی تقلید سے سرمایۂ دارین حاصل ہو سکتا ہے۔ ہمارے ہندوستان میں ہزارہا بزرگانِ دین ایسے گذرے ہیں جنھوں نے اپنے اخلاقی حمیدہ انصاف پسندیدہ سے کیسا نمونہ قابلِ قدر چھوڑا ہے لیکن ہم ان کے حالات اور ان کے اقوال اور ان کے اثرات سے بیخبر ہیں۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اگر اپنے گھر میں اپنے بزرگوں کا ادب نہ کریں، ان کے اقوال پر نہ چلیں اور ان کے افعال کو اپنی زندگی کا نمونہ نہ بنائیں تو نہ ہم دین کی ہدایت پا سکتے ہیں اور نہ دنیا کی خود سری۔ اور خود رائی گمراہ کرنیوالی ہوتی ہے۔ محققین علم و حکمت و دانایان عالم نے یہ بات مان لی ہے کہ بزرگوں کے اقوالِ شائستہ و احوالِ پسندیدہ سے انسان میں تقلید کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ ان کے مزارات و آثارات سے ایک روحانی کیفیت اور انجذاب طبائع پر پڑتا ہے۔ جن قوموں نے اس نکتہ کو بخوبی سمجھا ہے وہ اپنے بزرگانِ دین کی عظمت و یادگار کے قائم رکھنے میں مختلف طریقوں سے کام لیتے ہیں۔ کہیں یادگاریں قائم کی جاتی ہیں کہیں ان کے حالات و اقوال کتاباً شائع کئے جاتے ہیں، کہیں ان کے کتبے لگائے

لگائے جاتے ہیں۔ وقس علیٰ ھذا۔

مذہب اسلام نے اپنے بزرگانِ دین کی یادگاریں قائم کرنے کے جو طریقے تبلائے ہیں ان سے بہتر اور کوئی مستحسن طریقہ نہیں ہوسکتا۔ افسوس ہےکہ بعض عقائد کے لوگ مقابر و مآثر بزرگان دین کو مٹا و مٹائیں مذہب سمجھ رہے ہیں لیکن یہ ان کی ایک ایسی بدعت مذموم ہے جس کو وہ خود اختیار کر رہے ہیں۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ مقابر و آثار اسلام تمام دنیا میں ایک زمانہ قدیم سے موجود چلے آتے ہیں اور ان کا مسلسل وجود اور ان کا احترام بھی انکے جواز کی بہترین سند ہے مقابر و آثار در حقیقت گم گشتہ تواریخ کی بنیاد ہوتی ہیں بہت سی آن بان والی اور پرشکوہ قومیں پیوند زمین ہوگئیں اور اس طرح ان کا نام و نشان تک بھی کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ صرف ان کے کچھ آثار پرانے کھنڈروں میں بہت کاوش اور محنت سے جستہ جستہ عمیق کھدائی میں ملتے ہیں اور اس سے جاکر ایک تاریخ مرتب ہوتی ہے مسلمانوں کے جس قدر بھی حالات و مقابر بزرگان دین کے روحانی تصرفات و اثرات کو ماننے لگے ہیں۔

وائے برحال مسلماناں اگر ہم اپنے قدیم بزرگان دین کے حق و اقوال اوران کے اثرات سے دینی و دنیوی سعادت حاصل نہ کریں۔

ہندوستان میں اس قدر صلحاء و علماء و بزرگان دین گزرے ہیں جتنے کسی اسلامی ملک میں نہیں گذرے ان کے حالات کتابوں میں بقول حضرت نصیر الدین اودھی "گویا گم و نخامونتم چوں خط بکتاب اندر ہیں۔ ان امور پر نظر کرکے اس ہیچمرز نے اپنے وطن اودھ کے روحانی اکابر دین صلحاء، علماء، و فقراء وغیرہ کے حالات و نشانات مقابر و آثار کو جس کو خاکسار کے جدامجد مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم مغفور نے نہایت جستجو و محنت سے جمع کیا تھا کتابی شکل میں شائع کرنا مناسب سمجھا ہے تاکہ دین اور دنیا کی سعادت کا ذریعہ تمام مسلمان بھائیوں کو ہو۔ ہمارا شہر اودھ ایک زمانہ میں باعتبار اپنے صلحاء و علماء و فقراء و اولیاء اللہ و بزرگان دین کے وہ رتبہ رکھتا تھا کہ اس کو خود مکہ کہتے تھے اور یہ نام اب بھی مشہور ہے جیسا کہ کتب تواریخ سیر نظامی و اربع عناصر و اخلاق جعفری

میں مسطور ہے اس متبرک شہر کے ایسے ایسے بزرگ پیدا ہوئے یا یہاں آکر آسودہ ہوئے کہ ان کی نظیر ہندوستان کی روحانی تاریخ میں نہیں مل سکتی جن لوگوں کو ان کے نام نامی معلوم ہیں وہ ان کے مقابر ونشانات و آثر سے واقف نہیں اور جو مقابر وغیرہ سے واقف ہیں وہ ان کے حالات سے بیخبر ہیں۔ اس کتاب کو شہر کے جد امجد مولوی عبدالکریم مرحوم و مغفور نے بزبان فارسی نہایت تحقیق ذاتی و کتاب بزرگان دین کی روایت و جستجو سے جمع کیا تھا۔ خال خال شائقین اس کتاب کی زیارت سے مستفید ہوتے تھے۔ مولوی صاحب مرحوم مغفور کے دیکھنے والے ابھی بہت سے لوگ ہندوستان میں موجود ہیں وہ ان کے زہد و اتقا اور حلم و فضل کے بخوبی گواہ ہیں کہ وہ کیسے بزرگ تھے۔ ان کا نام نامی خود اس کتاب کی عمدگی کی ضمانت کے لئے کافی ہے۔ اس کتاب میں تمام اولیاء اللہ و بزرگان دین علماء وغیرہ کے حالات مندرج ہیں جن کو شہر اودھ سے کسی قسم کا بھی تعلق تھا۔ بہت سے خاندانوں و خاندانوں و گھرانوں و سلسلوں و خانقاہوں کا اس کتاب میں ایسا حال موجود و قابل یادگار ہے کہا جاتا ہے بلا مبالغہ گذشتہ بزرگوں کے بہت سے نام لیواؤں کو بھی ان کے حالات معلوم نہ ہوں گے۔ ضلع فیض آباد، بارہ بنکی، سلطان پور، گورکھپور، غازی پور، چھپرہ، دہلی، گونڈہ، اعظم گڑھ، جون پور، گجرات، احمد آباد و بدایوں وغیرہ وغیرہ کے متعلق بزرگوں اور سلسلوں کی یادگار باتوں کا وہ پتہ اور حوالہ دیا گیا ہے جو آج ان اضلاع بلکہ ہندوستان بھر میں سوائے اس کتاب کے اور کسی ذریعہ سے بالعموم معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ گویا تاریخی و روحانی دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے اس کتاب کی خوشہ چینی کا کیا جانا اس اصل کتاب کی عظمت کو دوبالا کرتا ہے۔ اصل اصل ہے اور نقل نقل۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم مغفور کی اصل کتاب کا یہ ترجمہ معہ حواشی و زوائد نادرہ ہے جو مختلف ذرائع سے جمع کئے گئے۔ (مصنف)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد! مولانا عبدالغفار صاحب اودھی کی کتاب گم گشتہ حالات اجودھیا دیکھنے کا موقع ملا اس میں شک نہیں کہ مولوی صاحب موصوف نے اس کتاب کا ترجمہ کرکے دین اور تصوف کی ایک بڑی خدمت انجام دی۔ اللہ جل شانہٗ قبول فرمائے اور سرمایۂ آخرت بنائے اور اپنے دوستوں کیواسطے سے اپنی دوستی عطا کرے اسلئے کہ یہ بات مصدقہ ہیکہ دوستوں کا دوست بھی دوست ہوا کرتا ہے۔ اگرچہ یہ اللہ کے اولیاء اور دوست دنیا سے تشریف لے جاچکے مگر ان کے حالات جو کتابی اور تحریری طور پہ ملتے ہیں انکی محنت مجاہدہ فنا و عشق کی خبر دیتے ہیں ساتھ ہی دعوت دیتے ہیں کہ ہم بھی محنت و مجاہدہ کرکے ان کے سچے دوستوں کی سچی پیروی کرکے تقرب کے اعلیٰ مقامات تک پہونچ سکیں۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہٗ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد عمل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔ والسلام احقر العباد

دستخط (حضرت مولانا) اسرار الحق (صاحب)

مورخہ ۳ رجون ۱۹۷۹ء متصل جامع مسجد اعظم گڈھ (یو، پی)

تقریظ

حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ایک مدت سے اس فقیر کے دل میں تھا کہ اجودھیا میں جو بزرگ آسودہ ہیں ان کے حالات قلمبند کروں مگر یہ خیال حیطۂ عمل میں نہ آسکا۔ الحمدللہ کہ یہ بزرگ معظم مغفرت مآب جناب مولانا مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم مغفور کہ جن کو فقیر نے خود دیکھا ہے اور جو فقیر کے حال پر بزرگانہ عنایت رکھتے تھے۔ ان کی کتاب حالات بزرگانِ دین اجودھیا کہ جو انھوں نے تحریر فرمائی تھی اس کو ان کے پوتے برخوردار عبدالغفار سلمہٗ نے شائع کرایا۔ میں اس کو دیکھکر بہت خوش ہوا۔ یہ کتاب درحقیقت نہایت صحیح اور ہر دیندار مسلمان کے پڑھنے کے لائق ہے۔ فقیر نیاز احمد جائسی۔ فیض آباد (اودھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤلف علیہ الرحمہ کا مختصر شجرہ اور سبب تالیف

حق سبحانہٗ تعالیٰ شانہٗ کی حمد اور حضرت سرور کائنات مفخر موجودات احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عاصی پر معاصی عبدالکریم انصاری ولد حضرت شاہ عبدالرؤف مغفوری اودھی، مرید حضرت سید سبحان علی شاہ لاہوری قادری قدس سرہٗ ابن شیخ سراج الدین علی ولد شیخ رعایت اللہ ابن شیخ دانیال ولد شاہ حبیب اللہ از اولاد شیخ قاسم انصاری بخاری قدیم باشندہ قصبہ فتحپور رسہالی پرگنہ بارہ بنکی سرکار لکھنؤ ہے اور مقام علماء فرنگی محل کے آبا و اجداد کا مسکن تھا جناب مجد یعنی شیخ سراج الدین علی نے بطور خود اس خطہ مبارک کا توطن اختیار کیا تھا لکھتا ہے کہ:۔

چونکہ اکثر بزرگان دین و برگزیدگان راہ حق و یقین ان اولیاء اللہ قدس سرہٗ العزیز کے مزارات کے جو اس خطہ متبرکہ یعنی اودھ میں آسودہ ہیں دور و دراز شہروں و قصبوں سے واسطے زیارت و حصول فیض برکات شائق و مشتاق آتے ہیں اور باشندگان شہر کی ناواقفیت سے اولیاء اللہ موصوف کے مزاروں کی زیارت سے محروم رہ جاتے ہیں لہذا شائقین اصحاب کی آگاہی و واقفیت کے لئے جہاں تک کہ پتہ اور نشان ان مزارات کا اس خاکسار کو حضرت والد ماجد کی ہمراہی و جناب سید سلطان علی صاحب عرف سید سلطان بخش صاحب مرحوم از اولاد حضرت سلطان موسیٰ عاشقاں قدس سرہ و جناب شاہ عبدالحق صاحب اور ان کے صاحبزادے جناب شاہ علاء الحق صاحب و جناب خطیب شیخ قادر بخش صاحب اور جناب صاحب داد خان صاحب ناظر مرید و خلیفہ میاں برحق شاہ صاحب مرحوم وغیرہ بزرگان سے کہ جن کا ذکر اس رسالہ میں بعد کو اپنے موقعہ پر آئے گا معلوم اور دریافت ہوا ہے کہ اس کو اس مختصر کتاب میں قلمبند کرتا ہوں تاکہ شائقین حضرات اولیاء اللہ کے فیض و برکات کے حصول سے محروم نہ رہیں۔

مسجد ٹاٹ شاہ

چنانچہ اول ناکہ شہر فیض آباد سے معہ نام و پتہ کے لکھتا ہوں کیونکہ اکثر شائقین پہلے فیض آباد ہی سے اس شہر میں آتے ہیں۔ فیض آباد میں ایک مسجد موسومہ مسجد ٹاٹ شاہ ہے جس کی بنیاد گویا شہر فیض آباد کے آباد ہونے کے زمانہ سے کہی جا سکتی ہے مشہور ہے کہ اس مسجد میں پہلے ٹاٹ شاہ کے نام کے کوئی بزرگ رہتے تھے پہلے اس مسجد میں مولوی مراد اللہ صاحب خلیفہ جناب مولانا نعیم اللہ صاحب بہرائچی ایک

حجرہ میں جو مسجد کے اندر ہی رہتے تھے اور وہ آپ کے بعد جناب سید حاجی احمد علی صاحب اور انکے بھائی سید محمد دوست صاحب جو مولانا نعیم اللہ صاحب قدس سرہٗ (آپ کا خاندان بہرائچ میں الحمد اللہ اب بھی موجود ہے جن کا ذکر بعد میں آوےگا) کے خلیفہ تھے۔ اس مسجد کے متولی ہوئے یہ دونوں صاحب جب رحلت فرما گئے تو ہر دو اصحاب کی قبر اسی مسجد کے صحن میں بنائی گئی - کچھ تھوڑے عرصہ تک اس مسجد میں مولوی یعقوب صاحب دہلوی نے بھی قیام فرمایا تھا اور اس کے بعد جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کو بھی اسی قبرستان میں آسودہ کیا گیا۔ اس کے بعد جب آپ کا محمد اسمٰعیل صاحب خلف مولوی بشارت اللہ صاحب مرحوم خلیفہ و داماد حضرت مولانا نعیم اللہ صاحب بہرائچی مقیم ہوئے اور آپ کے قیام کی برکت سے ہر سال دو ایک طالبعلم حافظ قرآن ہوتے ہیں۔

جامع مسجد ٹاٹ شاہ قدیم بنا کردہ حضرت ٹاٹ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحب قافلہ سیاح بزرگ اب سے تقریباً دو سو سال قبل وارد فیض آباد ہوئے جن کے اسم گرامی و پتہ نشان سے کوئی شخص واقف نہیں بزرگوں سے سُنا گیا کہ شاہ صاحب ٹاٹ کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ اس لئے اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ جگہ جہاں کہ اب مسجد واقع ہے ان بزرگ کو اس درجہ پسند آئی کہ مہینوں قیام فرمایا۔ اور دوران قیام میں اس مسجد کی بنیاد ڈالی، پہلے اس جگہ کیوڑہ کا جنگل تھا۔ اس کو صاف کرایا اور خانۂ خدا کی تعمیر شروع کی بلکہ فرائض معماری بھی خود ہی انجام دیئے۔ یہاں سے جانے کے بعد ریاست رامپور میں قیام فرمایا۔ آپ کا مزار اب بھی ریاست رامپور میں اسی مسجد کے گوشہ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔ سالانہ عرس ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس مسجد کی تعمیر ایک بزرگ کے ہاتھ سے ہوئی اس لئے جو روحانیت اور طمانیت قلب اس مسجد کو حاصل ہے وہ فیض آباد کی دیگر مساجد کو میسر نہیں اور اسی لئے شہر فیض آباد میں جو بزرگ بھی آیا اُس نے اپنے قیام کے لئے اسی مسجد کو منتخب فرمایا چونکہ قدیم عمارت بہت تنگ و پست اور نشیب میں تھی اس لئے اراکین مسجد نے اس کی جدید تعمیر کی ضرورت ضرورت محسوس کی اور جدید تعمیر میں ایک ولی کامل فرد زمانہ شیخ وقت یعنی حضرت مولانا شاہ عبد اللطیف صاحب ستنھی رحمۃ اللہ علیہ کے دُعا کی رہین منت ہے۔ حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب قدس سرہٗ شہزادگان خاندان مغلیہ میں سے تھے جو بعد زوال سلطنت درویشانہ طرز معاشرت میں روپوش ہو کر تبلیغ دین و مذہب آخر وقت تک فرماتے رہے۔ انھیں کی

دعاؤں کی برکت ہے جو یہ مسجد اس قدر عالیشان اور روحانیت دین کا مرکز نظر آرہی ہے ورنہ
فیض آباد جیسی چھوٹی جگہ جہاں نہ کوئی تجارتی منڈی ہے اور نہ صاحب مال مسلمانوں کی کثرت
ایسی نادر روزگار عمارت اور وہ بھی صرف فیض آباد کے غریب مسلمانوں کے چندے سے بن جانا
خالی از کرامت نہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک دن حضرت شاہ عبداللطیف صاحب قدس سرہٗ کی صحبت
اقدس میں مریدین کا ہجوم تھا۔ علاوہ فیض آباد کے بمبئی کے کچھ مخلصین حاضر خدمت تھے مسجد کی تنگی
و پستی کا ذکر تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مخدومی (امیٹھوی) رحمۃ اللہ علیہ جو بسلسلہ ملازمت
گورنمنٹ ہائی سکول فیض آباد میں قیام پذیر تھے۔ اور حضرت شاہ عبداللطیف صاحب قدس سرہٗ کی یادگار میں
بے تکلف تھے حضرت شاہ صاحب بھی بہت احترام فرماتے تھے تذکرتاً عرض کیا کہ شہر کی جامع
مسجد اور اس قدر تنگ اور پست اچھا ہوتا کہ یہ خدا کا گھر بلند و بالا اور وسیع ہو جاتا۔ حضرت
شاہ صاحب نے خرچ کا تخمینہ دریافت کیا جواباً عرض کیا گیا کہ ۵۰ ہزار روپیہ آپ نے
فرمایا کچھ مشکل نہیں ہو جائے گا

مسجد ماہ شوال ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں منہدم کی گئی اور جدید تعمیر شروع
ہو گئی۔ اس مسجد میں سنگ مرمر کا فرش لگوایا۔ بالائی منزل کے فرش میں ٹائلس لگوائیں جدید
نالی، وضو خانہ، کنوئیں میں ہینڈ پمپ غرضکہ مسجد کی زیب و زینت میں اس کے شایان شان
اضافہ کیا جس کے دیکھنے کے لئے روزانہ دوسرے شہروں سے مسلمان آتے رہتے ہیں اور مستورات
کا تو کوئی ٹھکانا نہیں۔ دن میں کئی کئی قافلے آتے ہیں اور زیارت کرتے ہیں۔ یہ سب حضرت
ٹاٹ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلوص اور حضرت شاہ عبداللطیف صاحب قدس سرہٗ کی دعا
اور اراکین مسجد کے نیک نیتی کا ثمرہ ہے ورنہ اس سے کہیں زیادہ عالیشان عمارتیں اور بھی
فیض آباد و دیگر شہروں میں ہیں مگر ان کو اس قدر مقبولیت حاصل نہیں۔

گنبد بخشی بابا

سب سے پہلے فیض آباد شہر کے ناکہ پر اتر کی طرف ایک عمارت گنبد
بخشی بابا کے نام سے دکھلائی دیتی ہے اور اسی مقام پر قریب میں
ایک بلندی پر کہ جس کی عمارت پتھر کی ہے ایک پرانا گنبد ہے اس کے اندر تین قبریں ہیں
اکثر معتبر اور بڈھے آدمیوں سے یہ سننے میں آیا ہے کہ آپ بخشی فوج حضرت سالار مسعود غازی
رحمۃ اللہ علیہ کے تھے اور وہ دو قبریں آپ کے مصاحبوں کی ہیں۔ ان قبروں کے متعلق
عام طور پر یہاں کے باشندوں میں یہی روایت مشہور ہے اس گنبد کے ارد گرد ہزارہا

قبریں ہیں اس گنبد کے مغرب جانب ایک مسجد تھی لیکن وہ گر پڑی۔ مشرق کے جانب اس گنبد کے ہزارہا قبریں پختہ اور قدیم زمانہ کی ہیں اب ان قبروں کے اوپر آم کے درخت لگ گئے ہیں اور یہ سلسلہ اودھ کے ناکہ تک چلا گیا ہے یعنی حضرت لال شاہ باز قلندر قدس سرہ کی خانقاہ تک چلا گیا ہے۔ یہ خانقاہ شہر اودھ کے پچھم کی طرف واقع ہے۔ ناکہ شہر مذکور پر ایک چبوترہ پتھر کا ہے جو نہایت لمبا چوڑا ہے اس چبوترے پر تین قبریں ہیں منجملہ ان کے بیچ والی قبر بلند ہے اور اس کے گرد و پیش والی اس سے چھوٹی ہیں۔

تہ خانہ حضرت لعل شاہ باز قلندرؒ چبوترہ کے نیچے ایک تہ خانہ نہایت روشن اور شفاف ہے اس طرح پر کہ اس کے اندر جا کر قرآن مجید کی تلاوت بآسانی ہو سکتی ہے۔ اس تہ خانے کے مغرب جانب دیوار میں مسجد کا محراب بنا ہوا دکھلائی دیتا ہے۔ تہ خانے کے اندر اس قدر جگہ ہے کہ ایک امام اور سات مقتدی جماعت کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے حضرت لال شاہ باز قلندر قدس سرہ کے زمانہ میں یہ تہ خانہ اور مسجد تعمیر ہوئی تھی۔ آپ خلیفہ حضرت شاہ شرف بو علی قلندر سرہٗ کے تھے اور یہ مکان آپ کی گوشہ نشینی اور چلہ کشی کیلئے تعمیر ہوا تھا۔ آپ کے رحلت فرمانے کے بعد حضرت موصوف کی قبر مع دیگر خادموں کے اس مقام پر تعمیر کی گئی ہے۔ چنانچہ تہ خانے کی چھت پر نشانات اسکے موجود ہیں۔ اس چبوترہ کی بناوٹ اور وضع سے معلوم ہوتا ہے کہ چار پانچ سو سال سے کم کا زمانہ اسکو تعمیر ہوئے نہیں گزرا۔ اس چبوترہ کے مابین ایک نہایت بلند اور چھتنارہ درخت کھرنی کا ہے جس کی عمر بھی اس سے کچھ کم نہیں معلوم ہوتی۔ اب یہ قبرستان بیراگیوں نے ایک احاطہ میں کر لیا ہے۔ باغیچہ لگا لیا ہے۔

راجہ گاجہ شہید اس خانقاہ اور گنبد بخش بابا کے درمیان آم کے درخت کے نیچے دو قبریں جو راجہ گاجہ شہید کے نام سے مشہور ہیں اکثر اہل حاجت جمعرات کے دن ان مزاروں پر جاتے ہیں اور ان بزرگواروں کی برکت سے ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے گرد و پیش بھی ہزارہا قبریں ہیں لیکن وہ قبرستان جو کہ اُتر جانب ایک بلندی پر واقع ہے اس کی کیفیت صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے گویا تختہ نور معلوم ہوتی ہے اسی کے قرب و جوار میں باغات کے اندر تین اور گنبد

مثل گنبد بخشی باباصاحب کے ہیں۔ ان دو گنبدوں کی چھتیں گر گئیں ہیں۔ اسی کے قرب میں

جنگی شہید

ایک فنائی مسجد دریا کے کنارے پر نہایت وسیع واقع ہے اور اس کے صحن میں ایک شہید مرد کی قبر مشہور ہے جو آم کے درخت کے نیچے ہے آپ صاحب تصرفات میں سے ہیں۔ اب بالکل کرارہ پر آگئی ہے۔ اس قسم کی قبریں اس سڑک کے

شہدا زمانہ حضرت سید سالار مسعود غازیؒ

اُتر طرف جو کہ فیض آباد سے اودھ کو جاتی ہے واقع ہیں اور سڑک کے جنوب کی جانب بخشی صاحب کے مقابلہ میں نور بافوں کے مکان سے ملا ہوا ایک بڑے اور پرانے چبوترہ پر تین قبریں ان شہیدوں کی ہیں جو حضرت مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں شہید ہوے تھے۔ اس چبوترہ پر مولسری اور املی کے درخت نہایت پرانے اور بڑے موجود ہیں اِس قبرستان کے مشرق جانب

درگاہ بڑی بی صاحبہ قدس سرہٗ

ایک مقام بڑی بوا صاحبہ قدس سرہٗ کی درگاہ کے نام سے مشہور ہے آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی خلیفہ و جانشین حضرت شیخ الاعظم نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی ہمشیرہ معظم ہیں۔ اس درگاہ کے گرد و پیش جو چار دیواری سے گھری ہوئی ہے دور تک ہزار ہا پختہ قبریں پختہ و خام اور بہت سے دُنیاداروں کی بھی ہیں جنھوں نے بڑی بوا صاحب قدس سرہا کے مزار کا جوار و قرب اختیار کیا ہے۔ کل مقام بڑی بوا صاحبہ کی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔ بہت عرصہ گذرا کہ واجد علی خاں صاحب ناظم سلطانپور نے بڑی بوا صاحبہ کی درگاہ کی مرمت کرا دی تھی کیونکہ ان کے مرشد حافظ محرم علی صاحب نے اس کی ہدایت فرمائی تھی۔ اس کے بعد شیخ رمضان علی صاحب سوداگر فیض آباد نے بھی اس کی مرمت از سر نو کرائی تھی۔

تین چار بڑے بڑے مقبروں کے علاوہ ایک بہت بڑا مقبرہ خوش قطع و خوش وضع نہایت چوڑا اور اونچا اور ہے اس کی چار دیواری نہایت تکلف کی بنی ہوئی ہے اور اس کے چاروں جانب برج ہیں۔ یہ مقبرہ حاجی اقبال خواجہ سرا کا ہے۔ قبر کے سرہانے جو کتبہ تحریر ہے اس کی عبارت یہ ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کل من علیہا فان۔ ویبقیٰ وجہہ ربک ذو الجلال والاکرام۔ تاریخ وفات خاں مغفرت نشان حاجی اقبال فی شہر ذیقعدہ ۱۱۷۴ھ قدسی حاجی اقبال بزمانہ نواب سعادت علی خاں معتبر امراء میں سے تھے۔

اب اس عمارت میں سنہ ۱۹۳۵ء سے ایک مسلم یتیم خانہ قائم ہے جو یتیم خانہ بڑی بوا

صاحبہ کے نام سے موسوم ہے۔ مرزا احمد بیگ صاحب جو شہر کے ایک مخلص قومی کارکن ہیں اس یتیم خانہ کے آنریری سکریٹری ہیں اپنی ساعی سے انھوں نے یتیم خانہ کو بہت ترقی دی اور چندہ سے تو پختہ عمارت بھی کی۔

قبر الٰہی بخش مجذوب

بڑی بوا صاحبہ کی قبر کے پاس شیخ الٰہی بخش مجذوب کی قبر ہے درگاہ کے سرھانے اُتّر کی طرف ایک تالاب ہے اور اسی کے قریب چبوترہ پر تین بڑی بڑی قبریں موجود ہیں اور یہ سب قبریں گنج شہدا کے نام سے زمانہ سلف سے مشہور چلی آتی ہیں اور یہ اصحاب صاحب کرامات مشہور چلے آتے ہیں۔ چنانچہ اکثر اوقات ان حضرات کی برکت اور امداد بھی ظاہر ہوئی۔ یہ امر خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ مولانا سید مراد اللہ صاحب بہرائچی خلیفہ مولانا نعیم اللہ صاحب بہرائچی قدس سرہٗ اپنے زمانہ قیام فیض آباد میں جمعرات کے دن اس مقام پر ضرور فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لاتے تھے۔ اور فیض حاصل کرتے تھے چنانچہ

شہدا کی کرامات

ذکر ہے کہ مسجد ٹاٹ شاہ میں کچھ مخالف آدمیوں نے ہجوم کر کے مولانا صاحب موصوف کی عزت و ہتک کرنے کے درپے ہوئے ان حضرات نے ظاہری صورت اختیار کر کے اس مصیبت کے وقت میں آپ کی مدد کی یعنی مخالف آدمیوں کے ہجوم کو درہم برہم کر کے پیچھے ہٹا دیا۔ معتبر اشخاص کی زبانی یہ سننے میں آیا کہ جس وقت مخالفوں نے مولانا صاحب پر ہجوم کیا تھا دو شخص خوبصورت نوجوانوں کی طرح ہتھیار لگائے ہوئے آئے اور اس ہجوم کو جو مولانا صاحب کے برخلاف ہوا تھا درہم برہم کر دیا اور اس کے بعد تشریف لے گئے۔

ان نوجوانوں کو کبھی کسی شخص نے مسجد میں یا مولانا صاحب کے نزدیک نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ اس وقت جب کہ ہنگامہ ہوا۔ حاضرین میں سے کسی شخص نے مولانا صاحب سے پوچھا کہ یہ کون دو شخص نوجوان تھے جنھوں نے مخالفین کو دراہم براہم کر دیا۔ میں نے ان کو آپ کے پاس یا اس مسجد میں یا اس کے قبل کبھی نہیں دیکھا۔ مولانا صاحب نے جواب دیا کہ یہ وہ شہید لوگ ہیں کہ میں جمعرات کے دن ان کے مزارات پر جا کر فاتحہ خوانی کرتا ہوں۔

کچھ زمانہ ہوا جب کہ شہیدوں کی قبروں چبوترہ ریل کی سڑک کے درمیان آگیا تھا اور جھنڈی جب چبوترہ پر گاڑی گئی تھی اس وقت سڑک بنانے والوں اور بنگالی پارسیوں کے اوپر جو کہ اس چبوترہ کے کھودنے پر تیار تھے جو ماجرہ گذرا اظہر من الشمس ہے۔ دو تین شخصوں کے

ہلاک ہو جانے کے بعد اس چبوترہ کو چھوڑ دیا گیا اور ریل کی پٹری جو کہ چبوترہ کے درمیان سے جاتی تھی ہٹا کر اس طرف سے ٹیڑھی کر دی گئی اور دکھن سے سڑک نکالی گئی اور قبروں کے اس چبوترہ کو نہایت مضبوط اور خوشنما بھی کر دیا گیا۔ اکثر لوگ جمعرات کو یہاں زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ یہ مقام عوام میں خطیرہ پیر کے نام سے مشہور ہے۔ محلہ والے اور ارد گرد کے اشخاص اس مقام

خطیرہ پیر

پر نذر و نیاز دیتے ہیں۔ اور شہدا کی برکت سے ان کی دعا قبول ہوتی ہے اس کے بعد محلہ کتھانہ میں جو کہ سڑک پر واقع ہے ایک مسبز ٹیلہ پر ایک املی کے درخت کے نیچے جو کہ بہت پرانی ہے ایک شہید مرد کی قبر ہے۔ یہ قبر پتھر کی بنی ہوئی ہے اور جگہ نہایت خوشنما اور دل چسپ ہے اس کے بعد اسی راستہ میں ایک آم کا باغ ہے جو بھائی خاں شہید کی درگاہ

بھائی خاں شہید

کے نام سے مشہور ہے وہاں بھی پرانے زمانہ کی بہت سی قبریں ہیں اس کے مشرق جانب وہ قبرستان ہے جو درگاہ حضرت شیث علیہ السلام کے ارد گرد ہے۔ یہ قبرستان تقریباً چالیس بگہ پختہ پر واقع ہے بلکہ اس سے زائد پر یہاں فاتحہ خوانی کی غرض سے ہر پنجشنبہ کو لوگ آتے ہیں۔ اس قبرستان کے جنوب میں ایک پختہ سڑک ہے جو فیض آباد سے آکر حضرت شیث علیہ السلام کے مزار کی طرف چلی گئی ہے اس سڑک کے جنوب میں ایک بہت بڑا مقبرہ ہے اور ہزارہا قبور پختہ ہیں جن کا ذکر ابھی چھوڑ دیا جاتا ہے اور صرف اس سلسلہ کو بیان کیا جاتا ہے جو مزار بھائی خاں صاحب شہید کے مزار سے عین مشرق میں واقع ہے جہاں سامنے آم کا باغ ہے اور جس میں ہزارہا

قاضی لطف اللہ
احمد سعید
لال خاں شہید
مٹھو صاحب

قبریں پختہ موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں بائیں طرف یعنی گوشہ شمال مشرق میں مقبرہ قاضی لطف اللہ صاحب صدر دفتر حضرت احمد شہید ہے اور شمال کی طرف لال خاں شہید صاحب تصرفات کا مزار ہے۔ اسی طرف کو ذرا اور آگے بڑھ کر موضع مٹھو پور ہے جس میں شیخ مٹھو صاحب کا مزار ہے بہت بڑے بزرگان سے ہیں۔

حضرت شیث علیہ السلام کا مزار معہ ثبوت

سڑک پختہ کے دکھن جانب نظر کیجئے تو ایک ٹیلہ اور یا جھاڑ نظر آئے گا (اور یا لفظ سریانی ہے جس کے معنی معلم اول کے ہیں (جھاڑ بمعنی چراغاں کے ہیں) اس پر

پختہ عمارتیں بنی ہوئی ہیں یہ سرھانا ہے۔ مزار حضرت شیث علیہ السلام کا۔ نالہ تنئی پر جو پل
بندھا ہے اس پر سے دکھن جانب یعنی جنوبی راستہ پر چلے جایئے تو بائیں طرف درگاہ حضرت
شیث علیہ السلام ملے گی درگاہ شریف کے اندر جاکر جنوب کی طرف دیکھئے تو دوسرا ٹیلہ
نھیا جھاڑ د ہے جھاڑ کے واقع ہے۔ درگاہ
شریف کے ہر چار طرف نظر کیجئے تو یہ قبرستان چالیس بگیہ پختہ زمین سے زائد میں واقع
ہے۔ اس قبرستان کے جنوبی حد پر سات مساجد فنائی ہیں کہ جن میں قبریں ہیں اور یہ مساجد حضرت

محمد علی گنگنک

محمد علی گنگ کے نام سے مشہور ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ چار سو برس کا
زمانہ گذرا سات بھائی یا سات شخص ایک پیر کے مرید یا ایک ہی
خاندان کے تھے جنہوں نے تمام روئے زمین یعنی قہقہہ دیوار تک کی سیر کی اسی سبب سے
خاموش تھے اور ان ساتوں مسجدوں میں ساتوں شخصوں کے مزار ہیں یعنی ہر ایک مسجد میں
ایک مزار ہے نہایت پرفضا مقام ہے یہ نالہ تلئی جو قبرستان حضرت شیث علیہ السلام کے شمال
میں واقع ہے کسی زمانہ میں یہ بہت بڑا دریا تھا جو ٹیلہ کہ درگاہ شریف کے اتر ہے اسی کو اودھ
جاٹر کہتے ہیں لیکن اہل ہنود اسے منی برت کہتے ہیں (منی کے معنی ہندی میں ولی کے ہیں)
یہ کہنا کہ من پربت یعنی ہیرے کا پہاڑ صحیح نہیں ہے اگر لفظ منو قرار دیا جائے تو منو کے معنی سنسکرت
میں بقول اکثر محققین حضرت آدم کے مطابق ہیں) معتبر بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ جس وقت سکندر
شاہ لودی اودھ میں قیام پذیر تھا اور اودھ کو اپنا پایۂ تخت بنایا تھا چنانچہ اس کا قلعہ
لب دریا موجود ہے اس وقت اس کے مرشد حضرت جلال الدین ہمشیر زادہ حضرت
بہاء الدین نقشبندی قدس سرہٗ اس کے ہمراہ موجود تھے اور ساتھ میں تشریف لائے تھے
چونکہ حضرت موصوف کتب تواریخ میں حال قبر حضرت شیث علیہ السلام ملک ہند یعنے شہر
اودھ میں درمیان دو ٹیلوں کے اور شمال جانب دریا کا ہونا ملاحظہ فرما چکے تھے لہذا
شاہ سے فرمایا کہ یہ احاطہ مع قبر کے پختہ کرا کے معافی بنا بر مصارف درگاہ عطا فرمایا
چنانچہ آئین اکبری میں مذکور ہے کہ قبر حضرت شیث علیہ السلام خطۂ اودھ میں اور
عجائب القصص کہ جس میں حال انبیا علیہ السلام مذکور ہے کہ جس کا ترجمہ حکیم احسن اللہ
خاں صاحب دہلوی نے کیا ہے اور جس کا نام ترجمہ طاہرہ عجائب القصص کہا ہے
اور جو مطبع دہلی میں چھپی ہے کہ اصل و ترجمہ دونوں میں ذکر خیر حضرت شیث علیہ السلام

ہے اور ہونا ملک ہند خطا اودھ میں مذکور ہے اور اسی طرح اکثر تواریخ مثل سیر المتاخرین وتاریخ مہرنیم ورد زا اسد اللہ خاں غالب وغیرہ میں دیکھا گیا ہے اور کتاب گلزار ابرار میں کہ ذکر میں اولیاء کبار کے ہے مذکور ہے اسی احاطہ درگاہ حضرت شیث علیہ السلام میں جانب مشرق میں ایک قبر دراز ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کی قبر مشہور ہے واللہ علم بالصواب۔ د خلاصۃ التواریخ مصنفہ سجان رمائے کہ زمانہ عالمگیر میں تھے اور کوئی کتاب

ایوب علیہ السلام

مولانا محمد باقر صاحب اثنا عشری کی تصنیف میں بھی ہے علاوہ اس کے کتاب تاریخ خلاصۃ الاحادیث حضرت مولانا و مقتدانا جناب شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ میں مذکور ہے کہ خطہ اودھ با بین دو ٹیلہ قبر حضرت شیث علیہ السلام ہے اور معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ کتب خانہ جناب مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی کے کسی عربی کتاب میں ہے کہ شہر قنوج حضرت شیث علیہ السلام کا آباد کیا ہوا ہے جس سے تشریف آوری ملک ہند میں ثابت ہے د کتاب موضع البلدان تصنیف صاحب تعداد العلوم و خلاصۃ الوقائع تصنیف مولانا شہاب الدین دولت آبادی قدس سرہٗ میں بھی موجود ہے ۔ مولانا شہاب الدین بہت بڑے عالم تھے سلطان شرقی کے زمانہ میں وزیر تھے۔

ثبوت در بارہ قبر حضرت شیث علیہ السلام در اودھ و بنائے شہر اودھ

اوراق ما سبق میں روائت اور روئت سے حضرت شیث علیہ السلام کے مزار موجودہ شہر اودھ کے متعلق لکھا جا چکا ہے لیکن عنوان متذکرہ بالا کے متعلق جناب مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم و مغفور نے ایک مختصر رسالہ بطور خود تحریر فرمایا تھا اکثر احباب نے اپنی کتابوں میں اسی رسالہ کی خوشہ چینی کی ہے اور اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔

خلاصۃ الاحادیث

من تالیف حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ یہ کتاب مولوی نجف علی صاحب سہارنپوری کے کتب خانہ میں تھی مولوی نجف علی صاحب موصوف ملک اودھ میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری کے عہدہ پر مامور تھے اس کتاب کی عبارت مولوی نجف علی صاحب نے بذریعہ خط مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم و مغفور کو بھیجی تھی اس کتاب کے الجزء الاول باب ۱۱۹ صفحہ ۲۷ پر حکایات اوحالات

دسعنی بمعنی مختف کے عنوان کے تحت میں حسب ذیل عبارت درج ہے قال علیہ السلام العانی الہند بلدۃ اسمعا اودھ بین التلین قبرین شیث وایوب علیہما السلام یعنی فرمایا حضرت علیہ السلام نے کہ تحقیق ملک ہند میں ہے ایک شہر جسکا نام اودھ ہے اس کے دو ٹیلوں کے درمیان دو نبیوں حضرت شیث اور حضرت ایوب علیہ السلام کی قبریں ہیں (تل بمعنی زمین بلند و پشتہ غیاث اللغات) تلی کا نالہ مشہور و معروف اسی نام سے آجتک ہے اس نالہ پر جو پل بنا ہوا ہے اور حضرت شیث علیہ السلام کے مزار کے قریب سے بہتا ہے درگاہ حضرت شیثؑ کے قریب وہ زمانہ قدیم کی تعمیرات سے ہے اور سلطان سکندر لودی کا بنوایا ہوا ہے۔

سراج الہدایہ
کتاب نوید جاوید

ترجمہ درہ ہند شہریست کہ اورا اودھ گویند میاں دو بلندی قبر دو پیغمبر یعنی شیث و ایوب علیہم السلام۔ مطبع نصرت المطابع دہلی از تصنیفات مولوی سید ناصر الدین محمد ابو المنصوری صاحب صفحہ ۳۸۹، ۳۹۰ ” یہ بات کہ کسی نبی کا مزار یروشلم کے باہر نہیں کچھ ضرور نہیں کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں مدفون ہوئے اور حضرت موسیٰ سرزمین مواب میں۔ استثنیٰ ۳۴ باب ۵ حضرت آدمؑ جب عدن سے نکلے تو یروشلم میں نہیں گئے تھے اور حضرت نوحؑ اور حضرت شیثؑ اور حضرت ایوبؑ یہ سب یروشلم سے باہر تھے۔ اگر کوئی کہے کہ قریب دوسو برس کے بعد حضرت یوسفؑ کی ہڈیاں حضرت موسیٰؑ مصر سے لے آئے تھے (دیکھو پیدائش ۵۰ باب ۲۶۔ اور خروج ۱۳ باب ۱۹) اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰؑ کا قول صرف یروشلم میں ایلیا کی وفات سے علاقہ رکھتا ہے حضرت خرقیل بنی بابل میں شہید ہوئے تھے اور سام بن نوح کی قبر میں مدفون ہوئے اور حضرت دانیال نے بابل میں وفات پائی اور حضرت یرمیاہ مصر میں مقتول اور مدفون ہوئے اور عرصہ دراز کے بعد سکندر اعظم نے اسکندریہ میں لے جاکر دفن کیا تھا۔ تواریخ نادر العصر جغرافیہ ملک اودھ مطبع منشی نولکشور سنہ ۱۸۶۳ء صفحہ ۹۳ فیض آباد میں جو کہ لکھنؤ کے کمشنر کے واسطے تصنیف کی گئی لکھا ہے کہ فیض آباد کے قریب دو بڑی قبریں ہیں طول ان کا سات سات آٹھ آٹھ گز سے کم نہ ہوگا عوام ان کو حضرت شیث اور حضرت نوحؑ سے منسوب کرتے ہیں۔

مولانا عنایت علی صاحب ایرانی جو کہ ایک زبردست مجتہد تھے۔ حضرت شیث علیہ السلام کے مزار موجودہ بمقام اودھ کی تصدیق فرما چکے ہیں بسنہ ۱۸۸۰ء میں آپ

مزار پرانوار کی زیارت کو تشریف لائے تھے۔

اکثر بزرگان دین نے احاطہ درگاہ میں چلہ کشی کی ہے اور وہ اپنے معاشقہ روحی کی بناء پر تصدیق صحت مزار حضرت شیث کی موجودہ مقام پر فرما چکے ہیں۔

کتاب ترجمہ طاہرہ عجائب القصص میں جس کو مولوی فخر الدین حسین صاحب دہلوی نے حسب فرمائش اہتمام احترام الدولہ حکیم مولانا محمد احسن اللہ خاں صاحب بہادر دہلوی کتاب عجائب القصص تصنیف مولانا عبد الواحد بن مولانا محمد غنی قدس سرہٗ سے ترجمہ کیا تھا حضرت شیث کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ قبر شریف آپ کی شہر اودھ ہند میں ہے۔

کتاب انتفاع عن ذکر اہل الصلاح تصنیف حضرت شاہ انور علی صاحب نبیرہ شاہ تراب علی صاحب قدس سرہٗ کاکوری میں لکھا ہے کہ شہر اودھ بنا کردہ حضرت آدم علیہ السلام کا ہے اور اس شہر میں قبر حضرت شیث کی ہے اور اسی طرح شرح ہدایہ میں ہے چنانچہ شیخ الاسلام عبد الرحمٰن جانباز قلندر نے اپنی بعض تصانیف میں اس کا ذکر کیا ہے۔

تاریخ جائس تصنیف منشی سید عابد حسین صاحب متوطن قصبہ سہسرام نامر الاحکام (ضلع آرہ) جو مطبع جلالی شہر الہ آباد ۱۲۸۵ھ میں طبع ہوئی ہے اور کتاب نجم البلدان تصنیف مولانا نجم الدین آفندی میں یہ تذکرہ ہے کہ شہر اودھ کے بانی حضرت شیث ابن حضرت آدم علیہ السلام ہیں اس کے بعد ہند بن حام بن نوح علیہ السلام نے اودھ کو آباد کیا) اسکے بعد یہ شہر راجگان ہنود کے تحت حکومت میں آیا جس کے بعد مسلمانوں کا قبضہ اس پر ہوا۔

تواریخ انبیا علیہ السلام مرتبہ منشی سرفراز خاں دہلوی بہ تصحیح علماء اسلام فضلائے دہلی میں لکھا ہے کہ حضرت شیث کو ادریائے اول کہتے ہیں۔ شیث ترجمہ ہے ہبۃ اللہ کا حق تعالیٰ نے پچاس صحیفے آپ پر نازل کئے تھے بعض کہتے ہیں کہ آپ کا مولد شام ہے حضرت شیث کی اولاد اکثر راہ راست پر رہی اور بعض نے عصیان اختیار کیا۔ قبر آپکی شہر اودھ میں مشہور ہے۔

آئین اکبری میں بھی حضرت ایوبؑ اور شیثؑ کی قبروں کا تذکرہ موجود ہے علاوہ بریں یہ مضمون تاریخ کاشفی وناسخ التواریخ وخلاصۃ الوقائع تصنیف قاضی شہاب الدین صاحب دولت آبادی ثم جونپوری وجامع تواریخ وبحار الانوار ملا محمد باقر مجلسی وخلاصۃ التواریخ وگلزار ابرار وسیرۃ المتاخرین ومہر نیم روز مرزا اسد اللہ خاں غالب موجود ہے۔

عرس حضرت شیث علیہ السلام بتاریخ ۴ رجب المرجب کو ہمیشہ باہتمام خادمان درگاہ حضرت شیث علیہ السلام ہوتا ہے۔ ختم کلام مجید میں ہزار ہا آدمی ہوتے ہیں نہایت شاندار مجمع ہوتا ہے۔

نقل از اودھ اخبار مراسلہ نظام الدولہ سفیر کشمیر مطبوعہ ۱۸۷۶ء

آپ کی قبر کسی نے بعلبک میں لکھی ہے اور کسی نے کوہ آدم واقع سرندیپ پہلوئے حضرت آدم علیہ السلام میں مگر بتحقیق چند سال ہوئے جب میں نے اجودھیا قریب فیض آباد میں قبر ہونا سنا تھا اب حج سے واپس آنے کے وقت میں اسی غرض سے وہاں گیا اور قبر موصوف کو موجود پایا۔ اور ہر قسم کے آدمی سے متفق اللفظ سنا کہ آپ کی قبر ہے سب ہندو مسلمان خاص و عام پشت در پشت سے سنتے آئے ہیں اور تین نام سے پکار تے ہیں۔

شیث دادا۔ شیث پوتا۔ شیث پیغمبر فیض آباد سے جس کا قدیم نام بنگلہ ہے اجودھیا جس کا نام اودھ مشہور ہے تین کوس ہے اور دہ دریائے گھاگرہ یا سرجو کے کنارے کی بستی ہے۔ اور ہنود کا اس لئے مقدس میں شہر ہے کہ سری مہاراجہ رام چندر جی کے اوتار و تولد کا مقام و نیز تخت گاہ ہے۔ سگریوں کا قلعہ اور ہنومان گڈھی وغیرہ ان کے عہدہ کا نشان موجود ہے۔ محققین زمانہ حال ان کا زمانہ تین ہزار برس بکھانند بتاتے ہیں۔ غرض ہزاروں برس سے ہنود وہاں بستے چلے آئے ہیں۔ اور یہ نام نشان قبر کا ان کے بیان سے مسلمانوں کو پہونچا جنکے مستقل تسلط کو ہند میں قریب سات سو سال کی مدت کے گذری۔ ہنود کا کوئی پیشوا بجز سیس ناگ کے اس نام کا نہیں گذرا اور اس شیث کے ساتھ لفظ ناگ کا کا نجرو مشہور ہے اور اس مذہب میں رسم جلانے کا ہے نہ قبر کا اس لئے ہم کو کیا بلکہ ہنود کا بھی ذرا گمان اس کا نہیں ہے کہ یہ کسی پیرو پیشواؤں کی قبر نہ ہوا اور مسلمانوں کی تحقیق کسی خاص مقام پر نشان وعلم قبر شیث نہیں ہے لہذا اس میں بھی کچھ شک نہیں ہے کہ یہی قبر شیث ع کی ہے۔ مہاراجہ رامچندر کے تولد کا مندر گو کبھی بنا ہوا تھا مگر اول سے مقام تولد کا ثبوت تو اسی جگہ پر بابر شاہ کے مسجد بنانے پر ہوتا ہے جبکہ بقول ہنود کے لاکھوں برس کا یہ نشان تولد باقی ہے اور معلوم ہوتا ہے۔ تو چھ ہزار برس کا نشان قبر حضرت شیث ع کا بدرجہ اولیٰ قابل تسلیم ہے۔

اگرچہ اجودھیا میں بستی کے اندر معہ عام قبروں کے ایک پرانی قبر بھی ہے جو پندرہ گز کے قریب طویل ہے اور اس کو نوگزی اور نوح کی قبر بھی کہتے ہیں مگر شیث علیہ السلام بستی سے ایک میل باہر ہے اب خدا جانے کہ اسوقت بستی میں تھی یا بستی سے اسی قدر دور تھی فی الحال وہاں بجز باغات اور عام قبرستان نشان آبادی پایا نہیں جاتا مگر گوشہ شمال و مغرب میں فی زمانہ ایک قریہ بڑھ آباد ہے طول اس قبر کا نوگز سے قریب قریب نصف یعنی پونے سات گز ہے اور عرض ڈیڑھ ذرع اور گرداگرد ایک پختہ احاطہ ہے اور قبلہ رو ہے۔ اس سے یہ گمان نہیں ہوتا عہد تسلط میں مسلمانوں نے قبلہ رخ بنادی ہو اس لئے کہ اول بانی قبلہ حضرت آدم علیہ السلام اور قبل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و قریش کی قبریں ابتک مکۂ معظمہ میں قبلہ روہی موجود ہیں مگر یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ یہ قبر مسلمانوں ہی کے عہد میں ہے مگر یہ ایک قبر علیحدہ بنائی گئی ہے اور غور سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل قبر سرہانے بقدر ۲۰ گز مثل ایک ٹیکرہ کے موجود ہے اور پائنداز کا ٹیکرہ بقدر ۵ گز کے بلند ہے باہم دونوں تودوں کے تخمیناً مابین ۲۰ گز قطعی ہے ان دونوں کے درمیان خواہ انقلاب زمانہ یا برساتوں سے وسط کا قطع نیچا ہوگیا ہے یا بروقت بنانے احاطہ کے ہموار نیچا کردیا گیا ہے سرہانے کے بڑے ٹیکرہ کا نام فی زمانہ منی پربت یا منو پربت یا اوڑیا جھاڑ اور جھوا جھاڑ ہے منو پربت اگر پرانا نام ہو تو منو آدم کو کہتے ہیں اور حضرت شیث علیہ السلام آدم ثانی اور اور ہند میں گویا بجائے آدم علیہ السلام کے تھے اس لئے ان کے مناسب حال نام ہے اور اوڑیا زبان سریانی میں نام حضرت شیث علیہ السلام یعنی اوڑیا صاحب علم کو کہتے ہیں۔ اغلب ہے کہ یہ نام اس لقب سے مشہور ہوگیا اور جھاڑ مراد چراغدان کہ بالین مزار ہوتے ہیں اور ایک دلیل اثبات قبر حضرت شیث علیہ السلام ہے ایک برساتی نالہ بلند ٹیکرے سے سرہانے سے مغرب بنام تلئی واقع ہے سرہانے کا تودہ اس لئے زیادہ بلند ہے کہ واسطے علامت قبر کے بالیں بلند کردیا جاتا ہے اور مثل ہے کہ قبر کی مٹی قبر ہی میں لگتی ہے ایسے بڑے قبر کے اس قدر بلند ہو جانے سے محل تعجب نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ قبر ایسی بلند و چوڑی ہے جبکہ قد حضرت آدم علیہ السلام ۶۰ گز مسلم ہے اور نقش قدم جناب آدم علیہ السلام سراندیب میں بقدر تین فٹ کے سنا ہے اور ایک بڑی قبر حضرت حوا شہر جدہ میں ہے تو قبر حضرت شیث اگر قد ان کا قد آدم سے کسی قدر کم خیال کیا جائے تو ان کی مناسبت عرض و طول

سے اس قدر قبر کا ہونا قابل اطمینان ہے اور چھ ہزار برس میں مٹی کا کھیل جانا بھی باعث مزید طول قبر کا ہے۔ اب یہ خیال کہ ہند میں طوفان آیا تو قبر کیونکر ثابت رہی طوفان کا زمانہ حضرت ایک سال کا ہے اس مدت میں مضبوط و بڑے تودہ کا گل کر پانی میں ثابت و باقی رہنا ممکن ہے بہرحال وجود قبر حضرت شیث علیہ السلام میں کلام نہیں ہے۔

اب رہا شیث علیہ السلام کا اس شہر میں وفات پانا تو یہ مسلم ہے کہ حضرت آدم عدن سے سراندیپ میں اوترے اور اکثر ہند میں رہے اور ہند سے مکہ کعبہ کو جا کر حج وغیرہ کئے اور پھر واپس آئے۔ اس حالات سے ماباقی کے مناسب ہند ہی قابل سکونت آدم ٹھہرے گا۔ نہ کوئی برفستان یا سرد سخت گرم ملک یا شہر اس کی وجہ یہ ہے کہ ہند اور چین میں نسل انسان زیادہ ہے اور علم و ہنر کا مبدا ابھی یہی ملک ہے یہیں حضرت شیث علیہ السلام خلیفہ حضرت آدم ہوے گو اکثر وہ شام میں ہی رہے مگر سلسلہ قیام سابق باعث سے ہند میں آنا اور رہنا ان کا قریب عقل ہے یا آئے ہوں کیونکہ اسی ملک میں آبادی بڑھ گئی ہے اور ہدایت کرنا فرض تھا اور یہیں فوت ہو کر دفن ہوے ہوں۔ اہل بصیرت کو زیارت قبر سے برکت اور اثر جو بزرگوں سے مزار سے ہوتا ہے، اس متبرک قبر پر معلوم ہوگا۔ مجھے کیفیت علم اور انس کی معلوم ہوئی غرض با ایں ہمہ بے سروسامانی و ویرانی ایک شان جمال پیدا ہوا ہے۔

عہد سابق سے دو گاؤں ابتک ان کے صرفہ کے واسطے معاف ہیں۔ تاریخ ۱۴ رجب کو عرس بھی ہوتا ہے اور بہت لوگ جمع ہوتے ہیں اور کلام مجید ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام حضرت شیث علیہ السلام کے مزار کے متصل پورب جانب احاطہ کے اندر ہی ایک قبر حضرت ایوب علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے کتاب خلاصۃ الحادیث جو کہ شہر سلطانپور میں مولوی نجف علی صاحب کے کتب خانہ میں قلمی موجود ہے اس کے باب ۱۱۹ میں یہ حدیث مندرج ہے قال علیہ السلام: ان فی الھند بلدۃ اسمھا اودھ فیہ قبر النبین شیث وایوب علیہ السلام۔

ترجمہ کہا علیہ السلام نے کہ تحقیق ہند کے درمیان ایک شہر ہے کہ نام اس کا اودھ ہے اس میں دو قبر نبیوں یعنی شیث و ایوب علیہ السلام کی ہیں (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت جلال الدین

احاطہ سے باہر یعنی دوسرے احاطہ میں کہ جانب مغرب ہے قبر حضرت جلال الدین ہمشیرزادہ حضرت بہاء الدین نقشبند

قدس سرہٗ ہے کہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اس قبر کے ساتھ تین چار قبریں اور بھی ہیں۔ وصال ۱۹ ار رجب المرجب یوم پنجشنبہ ۶۰۲ھ ہے مگر قبر آپ کی نہایت مدور مثل قبر حضرت

والدہ قاضی عبداللطیف

شیث علیہ السلام ہے اور درازی کم ہے جس زمانہ میں سلطان سکندر لودی نے قبر و احاطہ حضرت شیث علیہ السلام مرمت و تعمیر کیا تھا اُسی زمانہ میں آپ نے بھی انتقال فرمایا تھا۔ اسی چبوترہ پر متصل حجرہ درگاہ صاحب زمیندار موضع تہسوان کی ہے جو قبر کا اس جگہ بنوائی گئی جو خالی تھی اس لئے کہ مرحومہ کا تعلق خاندان نقشبندیہ سے تھا۔ مرحومہ شاہ قائم علی رودولوی کی صاحبزادی تھیں۔ تاریخ قبر والدہ قاضی عبداللطیف (وفات ۱۱ ر ستمبر ۱۹۰۰ء) معماروں نے اسی طرح آپ کی قبر بھی تیار کردی جیسے کہ حضرت شیث علیہ السلام کی تیار کردی جیسے کہ حضرت شیث علیہ السلام کی تیار کی تھی۔ ہزارہا قبر پختہ اس جوار میں موجود ہیں، لیکن ایسی گول قبر جیسی کہ حضرت جلال الدین قدس سرہٗ کی ہے کوئی بھی نہیں ہے احاطہ قبر حضرت شیث علیہ السلام سے مشرق کی طرف ایک چھوٹا احاطہ ہے جس میں یہ عبارت کندہ ہے "ہوالباقی یامحسن قد جاء المسی ۔ قطعہ تاریخ"

جو خان بہادر آیالت نشاں   شد جلوہ فرمائے باغ جناں

بخستند تاریخ از نام او   بفرمود ہاتف کہ تمکین خاں

جانب جنوب یعنی باہری جانب احاطہ حضرت شیث علیہ السلام ٹیلہ بنا جھاڑ ہے جس پر درختان املی نہایت پرانے موجود ہیں۔ ایک پرانا چبوترہ ہے جس پر ایک صاحب کی قبر ہے کہ خلیفہ حضرت

خواجہ ضیاء الدین بخشی

نظام الدین اولیا سے ہیں نام ان کا بزرگوں سے معلوم ہوا تھا مگر یاد نہیں رہا۔

مزار اولیاء اللہ

بہت سے بزرگوں سے سُنا گیا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ اس جگہ خاص پر بغرض فاتحہ جاتے تھے اور بیٹھتے تھے یہ اس سے اسی قدر جانب جنوب کنارہ تالاب ایک کنکر کا اونچا چبوترہ ہے کہ اس پر مزار اولیاء اللہ کا ہے بزرگان سلف کہتے ہیں کہ آپ اس جوار حضرت شیث علیہ السلام کے کوتوال تھے۔ چبوترہ پر ایک درخت املی نہایت قدیم ہے جو ۵۰۰ برس کا معلوم ہوتا ہے۔ درخت مذکور اس حیثیت سے کھڑا ہے کہ گویا تمام چبوترہ مزار کو مستحکم اور مضبوط کئے ہوئے تھے کہ چبوترہ سے ایک کنکر

بھی نہیں گرتا اس کے علاوہ ہر چہار طرف سے درخت کھرنی مزار پر سایہ کیے ہوے ہیں گویا اس مزار پر قدرتی باغ بغرض سایہ لگا ہوا ہے۔ عجیب کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ کرامتیں ظاہر ہیں۔

اب اس کے بعد درگاہ حضرت شیث علیہ السلام سے جانب شمال راستہ کے کنارہ پر کھرنی کے درخت کے نیچے سات پختہ قبریں ہیں جو نہایت پرانی ہے اور کہنہ ہیں۔ جب حضرت شیث کی درگاہ میں سالانہ سفیدی ہوتی ہے تو اسوقت لازمی طور پر ان اولیاء اللہ کے مزارات پر سفیدی ضرور ہوتی ہے۔ ناکہ تلئی سے اور سڑک پختہ سے اس طرف یعنی شمالی مغربی جانب ایک بہت بڑا وسیع قبرستان ہے جو شاہ گدی کے نام سے مشہور ہے۔

شاہ گدی اس کی وجہ تسمیہ نہیں معلوم ہوتی۔ بعد اس کے تھوڑے فاصلہ پر دو بڑی سڑک ہے جو فیض آباد سے دریا کے کنارے شمال کی طرف گئی ہے محلہ نورباخان متعلقہ محلہ قصنیانہ ہے اس میں خانقاہ حضرت پیر کریم درحیم ہے جو شیخ کریم الدین قدس سرہٗ خلیا از حضرت جمال الدین اولیاء کے نام سے موسوم ہے جو خلیفہ حضرت شیخ منظفر بلخی قدس سرہٗ کے تھے اور وہ خلیفہ حضرت شاہ اشرف الدین بخشی سیزی کے ہیں اور گردان مزارات کے اس زمانہ تک پختہ چہاردیواری تھی مگر تھوڑا زمانہ گذرا کے نورباخان سے ایک شخص نے اس دعویٰ سے کہ اس کے دادا نے اس کی مرمت کرائی تھی وہ چہار دیواری فروخت کر ڈالی اور اب چبوترہ اور مزارات قائم ہیں اور محلہ مذکور میں قبر پانچی شاہ درویش کی بھی ہے۔

پانچی شاہ درویش اور اسی محلہ نورباقاں میں ایک چہاردیواری میں قبر میران سید شاہ حسین درویش ہے چنانچہ یہ محلہ ان درویش کے نام سے موسوم ہے یعنی پانچی ٹولہ ان دونوں بزرگوں کے سلسلے کا پتہ نہیں چلا۔ اسی محلہ میں دو دوسرے مزار ایک چبوترہ

بہار شاہ کلاں و پختہ پر واقع ہیں اور جانب شمال میں بہار شاہ مشہور ہیں اور جنوب کی طرف

منگی شاہ منگی شاہ کا مزار ہے جس پر نیم کا خود رو درخت سایہ کئے ہوے ہے عجیب رونق دار اور پر فضا منظر ہے۔

قطب شاہ اسی بڑی سڑک سے شمال کی جانب سے اور آگے بڑھئے تو تکیہ قبرستان قطب شاہ خلیف پانی شاہ صاحب درویش کے طریقہ کا ہے ان بزرگوار کو ۱۵۰ برس کا

زمانہ گذراں ان پرہیزگار کے خرق عادات مشہور ہیں۔ مزار باقی شاہ صاحب درویش کے ارد گرد بہت سی پختہ قبریں موجود ہیں، اور اس درگاہ کے مشرق جانب تالاب کھدا ہوا ہے جس کے

مزار باقی شاہ

متصل اور جانب ایک بہت بڑی خانقاہ ہے کہ نشانات احاطہ پختہ اور دروازہ کلاں اب تک موجود ہیں۔ زمانہ دراز کی ہزارہا پختہ قبریں مثل قبور شہدا عہد حضرت سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمۃ قدس سرہٗ یا شہاب الدین غوری کے زمانہ کی موجود ہیں۔

بجلیا شہید

ایک مقبرہ کلاں کہ جس کی ساخت مثل گنبد بخشی بابا صاحب مدکور الصدر واقع ہے جسے لوگ بجلیا شہید کہتے ہیں مگر بسبب زمانہ دراز گذرنے کے کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے۔ اسی خانقاہ میں ایک پرانی مسجد ہے جس کی ساخت اور تیاری ۵۰۰ سو برس کی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت بنی بنا

یہ ایک نہایت دلچسپ مقام ہے صحن مسجد موصوف میں ایک احاطہ کے اندر مزار حضرت بنی بنا صاحب ہے اور دوسرے احاطہ میں قبر حضرت

حضرت سید جلال صاحب

باقی شاہ صاحب کی ہے اور تیسرے احاطہ میں قبر حضرت سید جلال صاحب ہے اور تکیہ باقی شاہ صاحب فی الحال زیر ہنومان گڈھی واقع ہے اسی محلہ میں دو دوسرے مزار ہیں جو چبوترہ پختہ کے اوپر ہے۔ ایک جانب شمال کہ

بہار شاہ
بکی شاہ

بہار شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ و ثانی جانب جنوب تھوڑے فاصلہ پر بکی شاہ کے نام سے مشہور ہیں اور اس چبوترہ پر درخت نیب موجود رہ سایہ کئے ہوئے ہے۔

شاہ بدیع الدین

تالاب کے اس طرف یعنی قبرگاہ کے شمال میں حضرت شاہ بدیع الدین قدس سرہٗ عرف شاہ بدیع صاحب کا مزار باغ میں ہے آپ زمانہ عالمگیر شاہ بادشاہ میں مشائخ کبار سے تھے وطن آپ کا شہر جونپور تھا یہ مزار اب تک موجود ہے

نوگزی قبر

ان قبروں پر پھولوں کے درخت لگے ہوئے ہیں اس کے بعد تھانہ کے پاس لب سڑک جانب مشرق نوگزی قبر ہے جو پیمائش میں اٹھارہ گز ہے۔ مشہور ہے کہ اس مقام پر آٹھ ٹکڑے کشتی نوح علیہ السلام کے پاس گئے تھے (زمین کے نیچے) اسی ٹکڑہ کشتی نوح کو قبر بنا دیا ہے اور نام فقیر کا نوری شاہ تھا۔ (واللہ علم الصواب)

عرصہ ہوا ۲۵ سال ۵ تاریخ میں حام ابن نوح علیہ السلام نبی نوح علیہ السلام کے بڑے

بیٹے کہے جاتے ہیں۔ مگر کتابوں میں ذکر اس قبر کا نہیں ہے۔ کتاب تاریخ جالس میں ذکر

نوری شاہ

حضرت شیث علیہ السلام میں لکھا ہے کہ بعد حضرت شیث علیہ السلام
کے بنیاد شہر اودھ کی حضرت ہند ابن حضرت حمام ابن نوح علیہ السلام
نے کی یہی ثابت ہوتا ہے کہ شاید یہ قبر حضرت ہنڈ کی ہو کیونکہ جوار قبر احاطہ بنی نوح علیہ

حضرت ہند

السلام کے نام سے مشہور ہے اور مولوی حسین علی صاحب جو خلیفہ
شاہ فاضل صاحب لکھنوی محلہ بانس منڈی کے تھے کہ نہائت معمر
تھے۔ فرماتے تھے کہ کسی مفسر نے تفسیر آیت :۔ "واستوت علی الجودی"
میں جودی کو اجودھیا لکھا ہے۔ اس بات کے سننے سے کسی صاحب نے فرمایا کہ
قریب جودی ہا" لکھا ہے مگر یہاں پہاڑ نہیں۔ جواب میں مولانا صاحب نے فرمایا کہ پہاڑ
علاقہ نیپال میں ہیں جو یہاں سے تین منزل کے فاصلہ پر ہیں اور بہت سے یعنی دھوالاگر
وغیرہ ہیں۔ صبح اور شام کے وقت شہر اودھ سے دکھلائی دیتے ہیں ہم لوگوں کے لئے
تین منزل ہیں لیکن اس قدر طویل القامت لوگوں کے لئے تین منزل زیادہ نہیں ہیں اس
کے اردگرد آگے پیچھے ہزاروں قبریں پختہ موجود ہیں اور اس قدر وسیع ہے کہ اس
کی مغربی حد تالاب انیو اور مشرقی حد لب دریائے گھاگرا حد جنوبی بازار رانی گنج حد شمالی موضع
میران پور و محلہ سرگدّواری۔ قریب احاطہ نوگزی کے ایک گنبد کہنہ زمانہ سلف مثل
گنبد نخشی بابا صاحب کی ساخت کا کہ بالکل اسی طور سے ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک
ہی معمار یا کاریگر کے ہاتھ کا تیار کیا ہوا ہے۔ اس کی قدامت اور کہنگی پر خیال کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ کسی امیر یا بزرگ کا مزار زمانہ سلطان شہاب الدین غوری یا حضرت
مسعود غازی علیہ الرحمہ کے زمانہ کا ہے۔ اسی گنبد میں بھی تین قبریں ہیں۔ گنبد کے
مغرب کی طرف ایک قناتی مسجد تھی۔ اب گر پڑی ہے۔ اوپر ایک بلندی کے اسی
گنبد کے واقع تھی۔ ان صاحب قبور کے نام بزرگوں سے نہیں سنے گئے اس گنبد
کے سامنے شمال و مغرب کی طرف انوہ تالاب کے اوپر ایک دوسرا گنبد بھی اسی مثال
کا ہے جو سال گذشتہ برسات میں نصف تو پھٹ کر کرارہ کے اوپر سے نیچے آگیا ہے
اور پڑا ہوا ہے۔ نصف مع قبروں کے باقی ہے۔ اس گنبد کے اردگرد چاروں طرف
ہزارہا قبریں نہائت پرانی موجود ہیں۔ نام ان حضرات صاحب گنبد کا بھی سنا گیا

گنبد بخشی بابا صاحب کہ جن کا ذکر شروع میں ہو چکا ہے اور دیگر جملہ گنبد کہ ذکر انکا بھی ہو چکا ہے اس گنبد تک سب سات گنبد ہوے جو ایک ہیئت اور ایک شکل کے ہیں۔ نقط نام بخشی صاحب کا اس طور سے کہ بخشی فوج حضرت سالار مسعود غازی کے تھے نا مزد عام طور پر خلق میں ہیں۔ باقی کسی نام کا پتہ نہیں چلتا۔ اور گنبدوں کی عمارتیں

علم بخش رحمۃ اللہ علیہ

چھ سو برس کی پرانی معلوم ہوتی ہیں۔ اس نوگزی قبر کے پاس آم کا باغ ہے۔ اس باغ میں کنوئیں کے اور قریب استھان بیراگیوں کا کہ حال ہی میں بن گیا ہے۔ مزار حضرت مولانا تقی الدین صاحب اودھی قدس سرہٗ خلیفہ حضرت فرید الملت والدین حضرت فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کا ہے۔

اخبار الاخیار میں دیکھا گیا ہے کہ کمال باطنی یعنی طریقت و حال یعنی علم ظاہری میں آپ بے مثل تھے۔ عالم حیات آپ کا اس حیثیت سے گزرا کہ بہت لوگ آپ سے علم ظاہری سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ یعنی بروز پنجشنبہ لڑکے اور طالب علم واسطے ترقی علم و ذہن کے مزار شریف پر حاضر ہوتے ہیں اور وہاں کی خاک کی ایک چبوترہ خام باقی ہے چاٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خاک و مزار کی برکت سے ان کو علم حسب اعتقاد عطا فرماتا ہے۔ میں نے جناب والد ماجد یعنی حضرت شاہ عبدالرؤف کہ ذکر ان کا دیباچہ کتاب میں ہو چکا ہے۔ خود سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ میرے لڑکپن میں بکثرت قبریں تھیں۔ رفتہ رفتہ بسبب تعمیر مکانات بیراگیان اور بوجہ لگانے باغ کے تمام قبریں اس مقام کی نیست نابود ہوگئیں مگر یہ قبر بسبب جاری رہنے تصرفات کے محفوظ رہی۔ یعنی مزار شریف کی شہرت کے سبب سے لوگ زیارت و فاتحہ خوانی کے لئے برابر آتے تھے۔ (یہ مزار اب احاطہ کے اندر آگیا ہے لیکن بیراگی خود زائرین کو مزار شریف بتلاتے ہیں اور ادب کرتے ہیں) اور آتے ہیں اور درگاہ علم بخش کے نام سے مشہور ہے۔ لطائف اشرفی میں بھی مزار شریف کا ذکر اس پتہ سے درج ہے کہ مزار علم بخش صاحب اوپر تالاب بھوہ کے ہے اخبار الاخیار میں ہے کہ یک تن اور رجال الغیب فوت شدہ برائے زین حضرت جناب مرشد لبشاں قدس سرہٗ ن عہدہ رجال الغیب تجویز فرمودند" چنانچہ بموجب ارشاد حضرت فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ استخارہ از حضرت عفیفہ خود دریں باب کردند آں مخدومہ فرمود کہ رجال الغیب

مردم بے خاتمان اندکہ اینچنیں سرگرداں می باشند شمارا باایں چہ نسبت فقط بلکہ شعر درد صف مولانا صاحب نوشتہ اند

چہ مردانند اندر راہ دآداز　　　　جہاں از مردم وگم کردہ اثار

تمام شب او خانہ بیروں می رفتند وعلی الصباح بوقت نماز صبح بخانہ شریف می آوردند وہیچر اعبادت حقیہ می فرمودند۔ ماہ رجب یوم دوشنبہ ۲۶ ؁ھ۔

حضرت شیخ کبیر

اور یہ بھی کتابوں میں دیکھا گیا ہے کہ مولانا صاحب برادرزادہ حضرت مولانا داؤد قدس سرہ العزیز کہ خلیفۂ اعظم حضرت شیخ الکبیر یعنی شیخ فریدالحق والدین حضرت فریدالدین گنج شکر قدس سرہ العزیز کے تھے اور قصبہ مالہی مئو کہ اب روضہ گاؤں کے نام سے مشہور و معروف ہے، جو قریب قصبہ رودولی تین کوس

شیخ داؤد

کے فاصلہ پر جانب مغرب واقع ہے۔ مقبرۂ حضرت شیخ داؤد قدس سرہٗ موجود ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الکبیر قدس سرہٗ نے مع خادموں قصبہ مالہی مئو میں اپنے خلیفہ یعنی مولانا شیخ داؤد کے پاس ورود فرمایا تھا۔ ایک چلّہ مولانا داؤد صاحب کی خاطر سے ایک مسجد میں مالہی مئو کی قیام فرمایا، بعد اس کے قصبہ رُدولی اور وہاں سے سنہرادرہ تشریف لائے۔ بوقت تشریف آوری قصبہ مالہی مئو کہ جب حضرت شیخ داؤد کے آئے تھے جناب شیخ الکبیر کے تصرفات کی نشانی اب تک موجود ہے۔ یعنی ایک درخت جامن کا خانقاہ کے اندر حضرت مولانا داؤد قدس سرہٗ نے لگایا تھا۔ خادمان ہمراہی حضرت شیخ الکبیر قدس سرہٗ نے اس درخت سے کہ چھوٹا تھا، مسواک توڑ کر مسواک کیا جس سے حضرت داؤد قدس سرہٗ کو کسی قدر ملال ہوا۔ حضرت شیخ الکبیر قدس سرہٗ نے تصرفات سے دریافت کر لیا۔ اس مسواک کو اپنے دست مبارک سے جابجا قریب خانقاہ نصب فرمایا۔ جس سے بہت سے درخت اُگے۔ وہ پرانے درخت وہاں اب تک موجود ہیں لوگ اس درخت کے پتوں وغیرہ سے بہت احتیاط اور ادب کرتے ہیں۔ وہ درخت بہت پرانے ہو گئے ہیں اُن سے دوسرے درخت بھی پیدا ہو گئے ہیں، اور اس زمانہ تک بھی موجود ہیں۔

مولانا کمال الدین

مولانا کمال الدین خلیفہ یا تو اسے حضرت مولانا تقی الدین علم بخش اور جی نے شہرادرہ سے جاکر ضلع الہ آباد میں سکونت فرمائی۔

کتاب منبع الانقصاب تصنیف مولانا تقی الدین جھونسی ضلع الہ آباد میں لکھا ہے کہ حضرت

مولانا تقی الدین قدس سرہ خال حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی تھے - چنانچہ ریلمیسان قصبہ مئو قاضی طیب مئو کو مئو ائمہ بھی کہتے ہیں - یہ قصبہ ضلع الہ آباد میں ہے -
قاضی محمدؒ ابراہیم کا بھی سلسلہ قاضی طیب سے ہے - اور ان کی اولاد اودھ کے نواح میں ہے) دغوث پور کٹھولہ اولاد امجاد آپ ہی کے ہیں اور مزار فیض انوار مولانا کمال الدین قصبہ غوث پور کٹھولا میں تالاب کے کنارے ایک ٹیلہ پر ہے - د جانب شرق گوشہ جنوب مزار حضرت مولانا تقی الدین علم بخش قدس سرہٗ درمیان مکانات بیراگیاں اور مندران

خواجہ کرڑے صاحب

راجگاں - ایوان وغیرہ ہے نیچے دیوار مندر کے ایک قبر پختہ مشہور خواجہ کرڑے کے نام سے ہے - جو بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ مزار حضرت علم بخش سے مزار موصوف تک ہزار ہا قبریں پختہ و خام تھیں - وقت بنانے مکان اور لگانے باغ میں سب تلف ہو گئیں فقط یہ دونوں مزار بسبب تصرفات ظاہری محفوظ رہ گئے -
اب تک اگر بیراگیوں میں کوئی بیمار ہوتا ہے تو روئی عطر میں ڈبا کر قبر شریف پر رکھتا ہے - آپ کی برکت سے وہ صحت پا جاتا ہے - بوجہ آ جاتے مزار شریف کے اندر ایک مکان

قاضی طیب

کے مسلمان اس مزار سے ناواقف ہیں - ایک مسلمان معمار بیان کرتا ہے کہ کسی وقت اس مزار کے قریب جو مکانات بیراگیوں کے ہیں اس کی استرکاری کا ٹھیکہ میں نے لیا تھا اور پاڑ کے لیے اپنی ذات خاص سے لکڑیاں جمع کیا - شام کو مکان پہونچ کر یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ چور لکڑیاں اٹھا لے جائیں - مزار شریف کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا کہ حضرت یہ لکڑیاں میری ہیں چوروں سے محفوظ رہیں چنانچہ کوئی مزدور اتفاق سے رات کے وقت وہاں گیا - دیکھا کہ ایک مرد سفید پوش اس مقام پر پاڑ کے قریب ٹہل رہے ہیں اور ایسا ہی دو ایک بیراگیوں نے بھی دیکھا - اور جب معمار صبح کو آیا تو اس سے بیان کیا - اس وقت مسجد نسائی کے صحن میں مزار شریف موجود ہے لیکن شکست حالت میں ہے - بعد اس کے جانب شمال حضرت مولانا تقی الدین علم بخش شاہ قدس سرہٗ کی درگاہ کے نہر کھدوا دی گئی ہے - جو راجہ درشن سنگھ والد راجہ مان سنگھ کی بنوائی ہے - اس نہر کے کھودنے میں ہزارہا قبور پختہ تلف ہو گئیں - اس نہر کے کنارے پر

خورد مکہ

ایک احاطہ پختہ جو فی زمانہ خورد مکہ کے نام سے مشہور ہے - نہایت وسعت کے ساتھ موجود ہے - اس احاطہ میں مزار حضرت سید علاؤ الدین خراسانی قدس سرہٗ

سید علاءالدین خراسانی

مصنف ترجیع بند ما مقیماں مشہور خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ العزیز کا ہے۔ اس احاطہ میں صدہا قبریں

سید احمد ماہرو

کہ اجداد حضرت موصوف سے ہیں یعنی سید احمد ماہرو قدس سرہٗ وغیرہم موجود ہیں۔ اور آپ کی اولاد احفاد بھی اسی احاطہ میں خوابیدہ ہیں اور

اور سرہانے حضرت سید علاءالدین اودھی قدس سرہٗ کے ایک سیاہ پتھر نصب ہے۔ ایک سال ہوا کسی نے تمام پختہ قبریں کھود ڈالیں اور پتھر بھی چرا لے گئے۔ یعنی رات کے وقت بذریعہ پولیس تحقیقات کرائی گئی لیکن پتہ نہیں چلا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل مخالفین اسلام کا ہے اور صرف ایک شخص کا کام نہ تھا۔ احاطہ کے باہر سزارہا قبریں موجود ہیں۔ یہ سلسلہ تالاب اٹھیا تک چلا گیا ہے ہزارہا قبور پختہ جنکی سڑک اور آبادی میں پڑکر تلف ہو گئی ہیں۔ تالاب مذکور کے قریب کنارے ہی پر قبر عاشق معشوق کے نام سے مشہور ہیں کل ایک قبر بلند ہے اور دوسری

عاشق و معشوق

پست موجود ہیں۔ یہ قبریں نہایت کہنہ ہیں اب وہ قبریں بسبب بارش شکستہ ہوکر گر گئی ہیں اور نیچے زمین کے آگئی ہیں۔ اب اسی احاطہ پختہ

بعو خوردکہ کے گوشہ جنوب و شرق پر نظر ڈالیے تو ایک بہت بڑا دوسرا احاطہ موجود ہے۔ یہ بھی

مورث اعلیٰ کتاب ہذا

اسی حیثیت کا معلوم ہوتا ہے مگر نشیب میں ہے اس احاطہ میں قبر جدوالا یعنی سراج الدین علی مغفور مع دیگر قبروں کے موجود ہے۔ یہ

مزار املی کے درخت کے نیچے لب نہر واقع ہے۔ یہ کل آراضی قصبہ میں اولاد احفاد حضرت سید علاءالدین قدس سرہٗ کے ہے جو زمیں محلہ میران پور اودھ کے ہیں۔ گوشہ جنوب۔ مغرب

مسافر شاہ صاحب شہید

یعنی شمال میں نوگزی قبر پر لب سڑک قبر مسافر شاہ شہید ایک بہت بڑے درویش کہ جن کی کرامت ظاہر ہے موجود ہے۔

یہ لوگ ۱۲۹۲ھ میں تیسری ربیع الثانی کو بیراگیاں چھاؤنی رگھوناتھ داس کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ وقت شہادت سے لے کر وقت دفن تک خون کا سلسلہ جاری رہا۔ بعد دفن مزار پر ہر پنجشنبہ صدہا مخلوق جمع ہوتی ہے۔ ان کی قبر پر چبوترہ پختہ ہے اور یہ پیشتر ضلع عظیم آباد کے کسی قصبہ کے رہنے والے تھے زمانہ دراز سے سیاحت کرتے رہے چنانچہ پانی پت میں عرصہ تک قیام پذیر تھے اور پنجاب میں بھی ہے شہر اودھ میں ماہ صفر ۱۲۷۲ھ میں وارد ہوئے ارادہ تھا کہ دریا کے اس پار اتر جائیں۔ چونکہ دریا

کے کنارے پر جیادنی رگھوناتھ داس کی تھی اور وہاں صد ہا بیراگی رہتے تھے تفریحاً ان کے پاس چلے گئے۔ کچھ دیر رگھوناتھ کے پاس بیٹھ کر اٹھے تو رگھوناتھ داس نے کہا کہ کچھ جنس ان کو دیدو۔ شاہ صاحب نے فرمایا میں جنس کے لیے نہیں آیا ہوں میں تو آپ کی فقیری دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ جواب میں رگھوناتھ داس نے کچھ ایسا جواب دیا کہ شاہ صاحب کو رنج ہوا۔ جو جنس کہ شاہ صاحب کے لئے لائی گئی تھی شاہ صاحب نے اسی جگہ محتاجوں کو تقسیم کر دیا۔ اور چند روز ٹھہر گئے اور قریب ہی آم کے درختوں کے نیچے ایک مقام پر قیام پذیر ہو کر اسی حیثیت سے جنس وغیرہ فقراء اور محتاجوں کو تقسیم کرنے لگے۔ خلق اللہ کا آپ کی طرف رجوع ہوا اور ہجوم روز بروز بڑھتا گیا۔ چند ہی روز کے بعد اتفاقاً اس نواح میں شدت وبا سے لوگ بیمار ہونے لگے۔ مگر آپ کی دعا سے صحت یاب ہوتے گئے۔ آپ کے تصرفات دیکھ کر بڑے بڑے لوگ معتقد ہوئے۔ یہاں تک کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک جوان لڑکا وبا سے مر گیا اور شاہ صاحب کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو زندہ ہے۔ اور وہ کنکریاں لے کر اس مردہ کے کان کے نیچے اوپر رکھ دیا اور آپ کے حکم سے الا اللہ کا لفظ کہکر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کرامات سے خلق اللہ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑی مگر رگھوناتھ داس اور دیگر بیراگیان جو دعوای درویشی کا رکھتے تھے۔ آپ کے ساتھ حسد کرنے لگے۔ ایک روز رات کے وقت ایک لاٹھی سے مار کر شہید کر ڈالا۔ مسلمانوں نے آپ کا مزار ہی خورد مکہ کے قبرستان میں بنا دیا۔ بعد وفات بھی آپ کے تصرفات جاری ہیں۔ اب یہاں سے تالاب ایٹوا کی طرف نظر کیجیے تو گوشۂ شمال مغرب میں ایک بلندی پر مزار حضرت

شاہ شمس الدین

شمس الدین صدیقی اودھی ایک احاطہ میں واقع ہے کہ ذکر ان کا لطائف اشرفی میں الوضاحت لکھا گیا ہے۔ دائیوا کے کے تالاب کے اتر جانب ایک قبرستان محلہ سید واڑہ کے سادات کا ہے۔ جس میں مزار سید شاہ علی الدین صاحب قدس سرہٗ کا ہے۔ جو زمانۂ ہمایوں شاہ میں خراسان سے آئے تھے۔ اور یہ حضرت روضۂ امام علی ابن الموسی الرضا علیہ السلام کے کلید بردار تھے۔ بلکہ ان کی اولاد میں اب بھی کلید برداری موجود ہے۔ اور ان کی نسل میں محلہ سیدواڑہ میں ان کی اولاد موجود ہے اور یہ قبرستان الھیس کے قصبہ میں ہے) آپ خلیفۂ اعظم حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ کے ہیں۔ اب تک آپ کے فیوض جاری ہیں۔

عوام اس بات کے معترف ہیں کہ اگر کوئی شخص نصف شب کو مزار شریف پر حاضر ہو کر اپنی حاجت بیان کرے تو اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے اس شخص کی حاجت بر لائے۔ سترہ بیگھہ آراضی متصل مزار شریف بغرض عرس و مرمت درگاہ موصوف اب تک جاری ہے لیکن جن کے نام سند معافی عطا ہوئی ہے انھوں نے خانقاہ بالکل ویران کر دیا ہے بلکہ درختان جو مزار شریف پر سایہ کیے ہوئے تھے اس کو ابھی بیراگیوں کے ہاتھ فروخت کر کے اپنے ذاتی صرف میں لاکر تباہ و برباد کر دیا۔ آپ کی تاریخ وفات ساتویں محرم یوم جمعہ ہے۔ قطعہ تاریخ وفات حضرت شمس الدین فریاد رس قدس سرہٗ

بہ ہفتم محرم روز جمعہ رسید ند رضواں شال شمع زیجر بود ہفتصد سال بود کہ بالملک علوی سد ہم مثال

آپ کے صاحبزادوں میں جناب شاہ بدیع الدین صاحب قدس سرہٗ میں ایک صاحبزادہ شاہ احمد ہیں اور شاہ جہانگیر، شاہ بدیع الدین کی اولاد میں رد سا ہے موضع کولا اور نسل سے جہانگیر شاہ قدس سرہٗ شاہ علاء الدین کہ آپ کے نام سے علاء الدین پور آباد ہے۔ موضع کولا اور علاء الدین پور دونوں پرگنہ منگلسے میں ہیں۔ علاء الدین پور میں آپ کا مزار اور استاد نوں موجود میں لیکن مزار وہاں ابھی ویران ہے علاء الدین پور میں قاضی بشارت علی شاہ صاحب نسل سے شاہ الہ آباد کے بھی وہیں ہیں۔

تاریخ سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ مولانا محمد نصیر صاحب جو ایک بڑے ذی استعداد عالم تھے، بادشاہ فرخ سیر کے عہد میں دہلی سے بطور سفیر کے ایران کو روانہ ہوئے آپ نے رجب ۱۱۳۳ھ ہجری میں رحلت فرمائی۔ حضرت شمس الدین فریاد رس کی خانقاہ کے عقب

شاہ محمد بخش صاحب

میں سید ارتضیٰ صاحب و حضرت سید مرتضیٰ صاحب و حضرت سید شاہ عثمان صاحب بن شاہ احمد صاحب کی خانقاہ ہے حضرت سید محمد بخش صاحب عرف ننھے میاں صاحب صاحبزادۂ حضرت سید ارتضیٰ صاحب قدس سرہٗ کے خلیفہ ہوئے۔ آپ اکثر گورکھپور وغیرہ تشریف لے جاتے تھے اور وہاں کے اکثر رؤسا آپ کے بزرگوں کے مرید تھے۔ اس کے بعد حاجی سید صفدر حسین صاحب آپ کے فرزندوں میں سے ظاہری و باطنی کمال میں شہرۂ آفاق ہوئے اور اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اپنے وطن کو دہلی و سرامین سے واپس تشریف لائے اسلئے کہ آپ کو ان بزرگوں سے محبت تھی جو اس خانقاہ میں آسودہ ہیں حضرت سید محمد بخش صاحب نے یوم عید الفطر کو رحلت کی۔ آپ کی علالت کے

زمانہ میں راقم کتاب ہٰذا مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم و مغفور) کے والد ماجد روزمرہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور جب وہاں سے واپس ہوتے تو افسوس کیا کرتے اور کہتے تھے کہ ہمارا شہر ایسے باکمال اصحاب سے خالی ہوتا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم لوگوں نے آپ کی قدر نہیں۔ آپ نے نہایت مردانگی سے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ہم لوگوں کو برابر وصیت و نصیحت کیا کرتے تھے۔ عید کی نماز کے بعد ہزار ہا مخلوق فیض آباد اور اودھ کی خانقاہ پر حاضر ہوئی۔ آپ کی وصیت کے موافق آپ کو دریا کے پانی سے غسل دیا گیا۔ مسمیان عبداللہ خاں وجبار خاں قبر کے اندر اُترے اور آواز بلند سے کہا کہ جس کو جنت کی ہوا لینی ہو وہ آکر دیکھے۔ قبر میں ایک سوراخ تھا کہ جہاں سے ہوا میت پر آتی تھی۔

حاجی سید شاہ صفدر حسن صاحب

حاجی سید شاہ صفدر حسن صاحب کا نسب امام محمد تقی علیہ السلام تک بذریعہ حضرت خواجہ مودود چشتی علیہ الرحمہ پہونچتا ہے۔ کمال و کرامت حاجی شاہ صفدر حسن صاحب کی اس امر سے ظاہر ہے کہ آپ نے کلام مجید کی ترتیب حاشیہ اور فقہ و شان نزول میں نہایت عرقریزی و محنت شاقہ سے کام لیا۔ حتیٰ کہ ہر سورہ کی تعداد حروف اور تعداد زیر وزبر و پیش تک لکھی آپ پندرہ سال تک دہلی میں علما کی صحبت میں رہے اور کتبخانہ شاہی کا مطالعہ فرمانے کے بعد تفاسیر وغیرہ بھی مرتب کی تھیں۔ جناب شاہ صاحب کے کمال کا حال مرزا اسداللہ خاں غالب دہلوی کے قصیدہ سے ظاہر ہے۔ آپ نے دوبارہ حج بیت اللہ کیا اور زیارت مزارات بزرگان دین کی فرمائی اور کئی کئی ماہ تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ تذکرہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ شہر اودھ میں تشریف لائے۔ کسی نے آپ کی دعوت ایک دن کی، آپ کے ساتھ چند خادم تھے شاہ حمید احمد و شاہ محمد احمد صاحبانِ ردولوی بھی تشریف فرما تھے۔ چونکہ حضرت شاہ صاحب کو عارضہ بواسیر کا تھا اس لئے سالن آپ کے لئے پرہیزی پکوایا گیا، لیکن اُس میں نمک ڈالنا بھول گیا اور ادب سے نمک اُس کا کسی نے نہیں چکھا۔ کھانے کے وقت جب یہ پیالہ آپ کے سامنے رکھا گیا تو آپ نے اس پیالہ میں سے کسی کو کچھ نہیں دیا اور اطمینان خاطر سے بے نمک کا سالن کھا لیا۔ کھانے کے بعد جب معلوم ہوا تو باورچی اور میزبان دست بستہ

روتے ہوئے معذرت کے لئے آئے حضرت نے فرمایا کہ تمھاری غرض ہمارے کھانے سے تھی، چنانچہ میں نے بخوشی خاطر کھالیا۔ تم لوگ رنج مت کرو۔ مولوی عبدالکریم صاحب راقم کتاب ہذا فرماتے ہیں کہ اس دن میں بھی حاضر تھا۔ سنہ ۱۲۹۱ھ میں آپ شہرا وجھہ سرہن کو تشریف لے گئے اور اس دارنا پائدار سے کوچ فرمایا۔ درحقیقت جناب شاہ صاحب کی زیارت سے اگلے بزرگان دین کے خلق و تواضع و تقویٰ کی یاد آجاتی تھی۔ ایسے اوصاف حمیدہ کے بزرگ کمتر اس زمانے میں دیکھے گئے۔ اس خانقاہ کے مشرق جانب

فریدی مسجد

محلہ بیگم پورہ ہے۔ اس جگہ لب سڑک ایک پرانی مسجد صدہا سال کی پرانی ٹوٹی پھوٹی ہے۔ اسکی دیوار کنکر کی ہے۔ یہ مسجد فریدی کے نام مشہور تھی۔ اس مسجد کے صحن میں نیم کے درخت کے نیچے مزار حضرت شیخ فریدالدین قتال قدس سرہٗ کا ہے جن کا حال کتاب لطائف اشرفی میں مذکور ہے۔ آپ کو حضرت مخدوم سلطان اشرف جہانگیر قدس سرہ سے نسبت تھی۔ اس مسجد کو کہ جس کی صرف کنکر کی دیوار باقی رہ گئی ہے احمد مرزا خلف میرزا حسن علی چکلے دار نے سفالہ پوش کردیا۔ سید عبدالرزاق نورالعین قدس سرہٗ حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر قدس سرہٗ کے ہمشیرزادہ تھے۔ آپ کے منجملہ پانچ صاحبزادوں میں حضرت شیخ فریدالدین قتال قدس سرہٗ بھی تھے۔ ہر صاحبزادوں کی اولاد کچھوچھہ رونا ہی وجائس وصلح پور وغیرہ میں ہیں۔ حضرت شمس الدین فریادرس کی خلافت کی وجہ سے مسجد اور خانقاہ شہر اودھ میں بنائی گئی۔ جہاں آپ ہدایت مریدوں کو دیتے تھے۔ وہیں آپ نے انتقال فرمایا۔ آپ کی اولاد کچھوچھہ و دیگر مقامات میں موجود ہے۔

جمال اولیا

اسی محلہ یعنی بکسریا ٹولہ جس میں مزار حضرت شاہ شمس فریادرس کا واقع ہے۔ ایک احاطہ میں کہ دیواریں اس کی گری ہوئی ہیں قبر حضرت جمال الدین اولیا صاحب قدس سرہٗ کی ہے۔ کتاب مراۃ الاسرار کہ تصنیف حضرت عبدالرحمٰن چشتی کی ہے اور تاریخ مراۃ مسعودی وغیرہ بہت سی کتابیں تحریر فرمائی ہیں انھوں نے حضرت جمال الدین اولیاء قدس سرہٗ کے سلسلۂ فردوسیہ حضرت شیخ کو بسلسلۂ مظفر علی بلخی قدس سرہٗ اور انکو حضرت شرف الدین یحیٰی منیری قدس سرہٗ تک پہونچا دیا ہے۔ قاضی ولی محمد کہ پیشکار تحصیل فیض آباد تھے کہتے تھے

ہم لوگ جمال الدین اولیا قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں کہ ہمارے اجداد نے جو حضرت موصوف کی اولاد سے تھے پرگنہ اترولہ میں سکن اختیار کیا تھا چنانچہ موضع علاء الدین پور کہ جن کے نام سے آباد ہے خواہ صاحبزادہ ہوں یا نواسہ اور ہم لوگ ساکنان خواہ کسی موضع کے ہوں آپ ہی کی نسل سے ہیں کیونکہ شاہ جانی و شاہ درویش قدس سرہٗ خلیفوں میں اُنھیں حضرت کے ہیں جو اترولہ ضلع گونڈہ میں خوابیدہ ہیں۔ اُن کے ایک خلیفہ کا نام شیخ کریم الدین اودھی قدس سرہٗ ہے کہ جن کے مزار کا ذکر حضرت شیث علیہ السلام کے مزار کے قریب میں ہو چکا ہے۔ ایک خلیفہ دوسرے حضرت جمال الدین اولیا قدس سرہٗ ہیں یعنی شاہ بھیکھ جو خلیفہ مولانا کمال الدین برادر حضرت جمال الدین اولیا تھے کہ مزار اُن حضرت کا موضع بلہری میں لب دریا ہے جو اودھ سے پانچ کوس کے فاصلہ پر جانب شرق واقع ہے اور یہ بہت قریب موضع و بازار جلال الدین نگر شاہ بھیک کے ہے۔ اولاد شاہ بھیک قدس سرہٗ کا اب تک موضع بلہری میں موجود ہے۔ موضع مذکور میں مزار آپ کا ایک پختہ احاطہ میں جو نہایت وسیع موجود ہے عرس وغیرہ ہوتا ہے اور زیارت گاہ عام ہے۔ ساخت قبر موصوف کی مثل قبر زمانۂ سلف کے اولیاء اللہ کی طرح ہے جیسی کہ اودھ میں قبور اولیاء اللہ ہیں۔ شیخ کبیر صاحب کا بھی

شیخ کبیر

ایک خلیفہ خلفاء حضرت شاہ بھیک قدس سرہٗ سے ہیں اور مزار شیخ کبیر صاحب کا قصبہ کہر پرگنہ خلیل آباد ضلع گورکھپور ہے جو ایک بلندی پر واقع ہے نہایت دلچسپ اور پرفضا مقام ہے کہ اُس سے دل کو نہایت تازگی اور فرحت حاصل ہوتی ہے مگر شیخ کبیر صاحب کی دو قبریں ہیں اصلی مزار تو بقبضۂ فقرائے اہل اسلام ہے مگر مزار مصنوعی بقبضۂ فقرائے اہل ہنود ہے اگرچہ ظاہر صفائی و سفیدی اس میں بہ نسبت اصل قبر کے زیادہ ہے لیکن فرحت و سرور اصل قبر کے نظارہ سے حاصل ہوتا ہے۔ میں (عبد الکریم ولد شاہ عبد الرؤف) دونوں مزار کی زیارت یعنی شاہ بھیک و شیخ کبیر کی زیارت کے لئے جا چکا ہوں۔ ایک بزرگ سے معلوم ہوا کہ قاضی محمد خلیل صاحب کہ عہد عالمگیر شاہ میں قاضی ضلع گورکھپور تھے نسل سے حضرت جمال الدین اولیا صاحب قدس سرہٗ سے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ پھر اسی محلہ میں ایک مسجد

محمد اکبر شاہ

لب سڑک جانب شرق درگاہ موصوف واقع ہے جو عہد اکبر شاہ میں تیار ہوئی ہے صحن مسجد میں قبر حافظ امان اللہ صاحب کی کہ فاضل

حافظ امان اللہ

صاحب استعداد. صاحب فیض زمانۂ نواب آصف الدولہ مرحوم
میں تھے واقع ہے. نہایت متوکل اور قانع تھے. بزرگوں
سے معلوم ہوا کہ آپ عمر بھر اسی مسجد میں رہے اور درس و تدریس طلباء او اطفال شرفا
شہر آپ کی ذات سے جاری تھا۔ اسی طرح لوگ آپ سے استفادۂ علم حاصل کرتے
تھے. ایک روز سواری جناب نواب صاحب موصوف اُس طرف سے گذری، آپ تلاوت
کلام مجید میں مشغول تھے اور جس طرح بیٹھے تھے بیٹھے رہے، نواب صاحب نے مشغولیت
تلاوت کلام مجید اور بے پرواہی اپنی طرف سے دیکھ کر خود سواری سے اُتر پڑے
اور خدمت میں حافظ صاحب کی بیٹھے. حافظ صاحب موصوف کے متعلق یہ بھی میں نے
سُنا ہے کہ آپ نے دو ایک رسالے بھی تصنیف کئے تھے. آپ کے وطن کے متعلق
کچھ سُنا نہیں گیا کہ کہاں تھا۔

کالے پہلوان

جانب شمال مسجد موصوف کچہری عدالت تھی اُسی کے احاطہ میں قبر
کالے پہلوان مشہور ہے کہ جس میں کچہری ہوتی تھی۔ زمانۂ شاہی
تک جب اُس میں کچہری ہوتی تھی سرکاری عدالت سے کچھ سکہ رائج الوقت بنا بر فاتحہ
و روشنی بروز پنجشنبہ مزار موصوفہ مقرر تھا۔ اب مکان عدالت نیست و نابود ہو گیا ہے۔

کمال شہید

اس کے بعد جانب شمال لب دریا آراضی قلعہ مبارک کی مشہور ہے
جو عہد سکندر شاہ لودی میں بنا تھا. دروازہ قلعہ موصوفہ کے پاس
ہی قبر کمال شہید کی موجود اور مشہور ہے اور اب قلعہ کے اندر صرف ایک مسجد لب دریا
عہد شاہی کی باقی ہے۔

مسجد قلعہ رحمان گھاٹ

یہ ایک نہایت بلندی پر واقع ہے. یہ مع ملحقات مدت دراز
کے بعد قبضۂ بیراگیان سے قبضۂ اہل اسلام میں آئی ہے اور
جس وقت سے مسلمانوں کو قبضہ حاصل ہوا اس کا پشتہ دریا سے لیکر مسجد تک بطور زینہ
کے تیار ہو گیا ہے کہ لوگ بآسانی مسجد سے دریا تک جا کر وضو کرتے ہیں، اور یہ رحمان گھاٹ

محلہ بیگم پورہ

مشہور ہے. مہتمم اس پشتہ (یہ مسجد دریا میں شہید ہو گئی) احمد میر علی
صاحب ساکن محلہ بیگم پورہ شہر اودھ میں مسجد موصوف کے گوشۂ

حضرت شاہ ابراہیم

جنوب و مشرق میں مقبرہ حضرت شاہ ابراہیم صاحب قدس سرہٗ
ہے. ایسا مضبوط اور خوشنما اور بلند کہ نظر نہیں آیا۔

جد بزرگوار آپ کے میر حسن علی سلطان کہ بلدۂ تاشقند سے ملک ہند میں عہد اکبر شاہ میں
آئے تھے اور بہت بڑے مرتبہ پر ممتاز تھے۔ بعد وفات اُن کی سید مبارک جانباز صاحبزاد
اُن کے پہلے قصبہ موہان قریب لکھنؤ اپنے خسر محمد صادق صاحب کہ سادات عالی نسب اور
رہنے والے مازندران کے تھے آئے۔ بعد اس کے عہد شاہ جہاں بادشاہ میں بنارس
آئے۔ آپ کی طبیعت فیض برکت لڑکپن ہی سے صحبت فقراء سے مانوس تھی (اگرچہ آپکے
دوسرے بھائی بھی تھے جو مناسب مرتبہ سپاہ پر ملازم تھے اور بسبب ملنے جاگیر دن

حضرت یحییٰ

کے شہر پٹنہ میں استقامت اختیار کی تھی، لیکن آپ قصبہ بسانور خدمت
میں حضرت یحییٰ قدس سرہٗ پہونچکر بعد ترک روزگار شاہی سلسلۂ
قادریہ وچشتیہ میں خرقۂ خلافت لے کر جانب مشرق روانہ ہوے اور مرشد کی اجازت
سے شہر اودھ میں استقامت فرمائی۔

مسجد سرگداوری

اُسوقت آپ کے مریدوں میں فدائی خاں صوبیدار تھا، جسنے کہ
مسجد سرگدواری جو لب دریا واقع ہے اور جسکی دو مینار ابتک
موجود ہیں۔ حکومت نے منارہ شہید کرا دیا۔ بنوائی۔ یہ مسجد اور مینار اسقدر اونچے
ہیں کہ سات کوس سے نظر آتے ہیں اور دریا کے اُس پار سے صاف دکھلائی دیتے ہیں
جس میں آپ بیٹھ کر درس وتدریس اور وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اسوقت چھت مسجد معدوف
اور تمام مکانات مدرسہ وغیرہ گرے پڑے ہیں۔ صرف مسجد کی پچھلی دیوار اور آگے
کے دو مینار باقی ہیں۔ یہ مسجد مسجد سرگدواری کے نام سے تمام ہندوستان میں مشہور ہے
چونکہ اس مسجد کی مرمت کی سعادت سے اہل سلطنت لکھنؤ محروم رہے اس سبب سے
لوگوں نے اس مسجد عالی کی مرمت اور خبر گیری نہ کی حالانکہ فرمان معافی بنام حضرت
شاہ صاحب جو ضلع گونڈہ میں ملی تھی موجود تھی۔ جو بعد آپ کے آپ کی اولاد کے پاس
تھے مگر کچھ انتظام نہ ہوا۔ مقبرہ کے چاروں طرف نہایت خوبصورت وپختہ مکانات
موجود ہیں۔ یہ مکانات خانقاہ اور محلسرائے شاہ صاحب جو بسرام محل کے لقب سے
ملقب تھے بوجہ تنگیٔ معیشت کے فروخت کر ڈالے گئے۔ والد صاحب مرحوم سے میں نے
خود سُنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ ایسا کتب خانہ میں نے اودھ وفیض آباد میں کوئی نہیں
دیکھا جتنا بڑا میں نے اولاد شاہ ابراہیم قدس سرہٗ کے پاس دیکھا ہے (عبد الکریم)

چنانچہ اُس وقت میں آپ کے نواسوں اور پوتوں میں اس قدر بے علمی تھی کہ وقت تقسیم ترکہ، آبائی کتابوں کو ترازو میں رکھکر تول کر بانٹا ہے اور اسی طرح کم قیمت پر بیچ بھی ہوئی ہیں۔ اب بقعرہ میں صرف خرقۂ شاہ صاحب اور مرقع باتصاویر حضرات جو نہایت پرتکلف کھینچے گئے ہیں صدہا سال کے موجود ہیں، کہ کہیں ایسے نہیں دیکھے گئے تھے۔ اور مینارہ

خرقہ مبارک

کے اندر ایک ڈبۂ مقفل اور خرقہ مبارک اور عصا اور کنگھی رکھی ہوئی ہے۔ یہ بسبب ناواقفیت کے ورثہ دار اب تک نہیں جانتے کہ کتنی ڈبہ کیا چیز ہے۔ اور اس میں کیسے تبرکات موجود ہیں۔ کوئی صاحب بغرض حصول زیارت و تبرکات شاہ صاحب موصوف گئے، ڈبہ مقفل دیکھ کر میر نور و زعلی صاحب مرحوم نے کہ اولاد دفتری شاہ صاحب سے تھے اور متولی مقبرہ تھے ڈبہ کھولنے پر اصرار کیا، مینارہ میں کنجی بھی مل گئی فوراً اس ڈبہ کو کھولا ایک کاغذ عربی زبان میں مع ترجمۂ فارسی ملا۔ ڈبہ موصوفہ برادہ

موئے مبارک

صندل اور دیگر خوشبویات میں رکھا ہوا تھا۔ قفل کھولا تو اس میں ایک بانس کی جعبہ جمی معلوم ہوئی۔ اسے کھول کر دیکھا تو اس میں موے مبارک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھا اور اس کاغذ میں تذکرۂ حصول موے مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کہ دست بدست حضرت شاہ غلام معمد قدس سرہ تک کہ اولاد ہمشیرہ زادہ خواجہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کہ اس زمانہ میں رہنے والے اُس جوار کے تھے چلا آیا تھا اور مکرّر ہونا ان تبرکات سے جناب شاہ ابراہیم صاحب جناب شاہ غلام محمد صاحب قدس سرہٗ سے مفصل تحریر تھا۔ چنانچہ ایک روز عاصی بھی حاضر ہو کر زیارت تبرکات سے مشرف ہو چکا ہے (عبد الکریم مرحوم) ۲۶ و ۲۷ رجب کو عرس بہت شاندار ہوتا ہے۔ مسلمانوں سے زیادہ ہندو بہت معتقد ہیں۔ ہندوؤں نے پنکھا بجلی بھی لگا دیا ہے۔ اب یہ تبرکات اور موئے مبارک منتظم خانقاہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کچھوچھہ لے گئے وہاں عرس کے زمانہ میں نکالا جاتا ہے۔ چونکہ ایک مدت سے یہ شہر اہل کمال سے خالی ہے اس لئے اس امر سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ تاریخ جو مقبرہ حضرت شاہ ابراہیم صاحب قدس سرہٗ پر لکھی ہے وہ یہ ہے۔

ذات مبارک شاہ کو مهدی دہاں بود — شرف خطا بے دہم از نام او دست منطوق

چوں خواستم ز ہاتف تاریخ از وفاتش — گفتا بدہ بشارت عاشق بوصل معشوق

اور یہ عبارت بھی لکھی ہوئی ہے " ہوالخالق دریائے فیض "

مسجد امیر الدولہ

مقبرہ کے جنوب میں ایک عالیشان مسجد ہے ۱۱۱۵ سنہ ہجری قدسی یہ مسجد تعمیر کردہ امیر الدولہ حیدر بیگ خاں نائب نواب آصف الدولہ یحییٰ خاں بہادر جنت مقام کی ہے ۔ تاریخ جو مسجد میں کندہ ہے یہ ہے ۔

بعہد شاہ عالم والی ہند　وزیر مملکت یحییٰ خاں شد
امیر الدولہ ور اشد چو ثابت　در او توفیق خیر بیکراں شد
در انجا مسجد عالی بنا کرد　کہ جائے طاعت پیر و جواں شد
خیال سال تاریخش نمودم　محل قرب تاریخ ایں شد

مسجد کے سامنے ایک وسیع باغ ہے جسکے اندر مقبرہ نور بیگ خاں بہادر اُن کے بڑے بھائی کا ہے ۔

مسجد الہ جالی گھاٹ

اس مسجد سے جانب مشرق ایک مسجد دریا کے کنارے پر کہ اسے الہ جالی گھاٹ کہتے ہیں نہایت عالیشان موجود ہے ۔ کرسیاں اسکی نہایت بلند اور مضبوط ہیں مگر چھت گر گئی ہے ۔ پچھلی دیوار اور آگے کے در کھڑے ہیں ۔ سنہ ۱۸۶۴ء میں رام شاستری نامی پنڈت نے شمال کی طرف پشت سے ملاکر مکان اپنی نشست گاہ کا بنالیا ، حکام کو اطلاع دی گئی اُس وقت صاحب ڈپٹی کمشنر نے حکم دیا کہ اگر اہل اسلام اسکی مرمت نہ کرینگے تو یہ مسجد نیلام کردی جائیں گی اہل اسلام نے سید ضامن علی صاحب تحصیلدار کی کوشش سے چندہ جمع کرکے پہلے احاطہ اور جنوبی برج کہ جو گر کر راستے میں پڑا ہوا تھا بنوایا جب تعمیر برج شمالی شروع ہوئی تو رام شاستری پنڈت نے راجہ مان سنگھ کو برانگیختہ کیا اور راجہ صاحب اُسوقت کمشنر کے ہمراہ تحصیل دوست پور پرگنہ الدہبو میں موجود تھے اُنہوں نے دو چار چٹھی کمشنر صاحب کے نام سے اس قسم کی چھپوائیں جسمیں یہ مضمون تھا کہ مسلمان مسجد الہ جالی گھاٹ کی مرمت جو مندروں کے درمیان میں کرانا چاہتے ہیں ، اہل ہنود بلوہ پر آمادہ ہیں اور اس قدر مجمع ہے کہ اگر روکا نہ گیا تو بلوہ مثل سنہ ۱۸۵۵ء کے ہوگا جو عہد واجد علی شاہ بادشاہ مابین ہندو و مسلمانوں کے ہوا تھا ۔ پہلے راجہ صاحب کمشنر کے پاس جاکر بیٹھے ، بعد اُس کے اُن ہرکاروں کو جن کی معرفت یہ چٹھیاں کمشنر صاحب کے پاس بھیجی گئی تھیں خانگی طور پر کمشنر صاحب کے سامنے پیش کی گئیں اور وہ چٹھیاں جو علی التواتر لکھی گئی تھیں وہ بھی راجہ صاحب نے پڑھ کر سنائیں اور رنجیدگی ظاہر کی ۔ چونکہ کمشنر صاحب کو معلوم تھا کہ اس وقت

کمیٹی کے تمام راجگان کی طلبی بمقام کلکتہ ہے اور راجہ صاحب اسوقت رنجیدہ و غمگین معلوم ہوتے ہیں۔ پوچھا کہ راجہ صاحب خیر تو ہے، ان چٹھیوں کے آنے سے آپ کی طبیعت کو پریشانی کیوں ہے۔ عرض کیا کہ ان چٹھیوں میں یہ لکھا ہے کہ جس طرح ۱۸۵۵ء میں مابین اہل ہنود و اہل اسلام بلوہ اور فساد ہوا تھا ویسا ہی ہونے والا ہے۔ تو مصلحت وقت یہی ہے کہ میں اودھ چلا جاؤں اور اس فساد کو رفع کروں۔ اور فی الحال کلکتہ نہیں جاسکتا۔ ادھر راجہ صاحب سے طلبی قسط بھی تھی۔ اس فریب سے کلکتہ نہ گئے اور قسط سے بھی مہلت لے لی۔ کمشنر صاحب نے گھبرا کر وہ چٹھیاں اہالیان پولیس کے پاس بھیجدیں کہ مسلمان مسجد کی مرمت نہ کرانے پائیں۔ اسی وقت مرمت بند کردی جائے اور یہ فریب کی باتیں حکام کے دل پر اثر کی گئیں کہ اسی مسجد کے لئے فساد ہوا ہے حالانکہ اس کی صفائی بہت ایسی شہادتیں ہندوؤں کی تھیں کہ کبھی فساد نہیں ہوا ہے، مسلمانوں نے مرتب کرکے پیش کیا تھا مگر راجہ صاحب کے سبب سے حکام نے ان شہادتوں کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور جس حالت میں تھی ویسا ہی رہنے دیا۔ یہ مسجد دریا کے کنارے ایک بلندی پر واقع ہے۔ نزدیک دور سے نہایت خوشنما منظر ہے۔ اب یہ مسجد دریائے گھاگرہ کی طغیانی نے شہید کردیا کچھ نشان باقی ہے۔

شاہ جوان اب مزار و مقبرہ جناب شاہ ابراہیم قدس سرہٗ کی طرف متوجہ ہو جیے اور نظر کیجئے تو مقبرہ موصوف سے مغربی جنوبی گوشہ میں ایک بلندی پر مزار حضرت شاہ جوان غوری قدس سرہٗ ایک قناتی مسجد کے صحن میں واقع ہے

مسجد مزار شریف کے چاروں طرف اور مسجد موصوفہ کے گرداگرد قریب قریب تمام ٹیلہ پر ہزار قبور پختہ موجود ہیں کرارہ بلندی جانب مشرق و جنوب بوجہ بارش گر گیا اُسکے ساتھ بہت سی پختہ قبریں نیچے آرہیں۔ مسالہ ان قبروں کا اسقدر مضبوط و مستحکم ہے کہ ابتک اُسی حیثیت سے پڑی ہوئی ہیں۔ اینٹ اور چونہ وغیرہ ذرا بھی جدا نہیں ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ جوان غوری عہد سلطان شہاب الدین غوری نور اللہ مرقدہٗ کے زمانہ میں آئے تھے۔ اس محلہ کے رئیس شیخ عنایت حسین کہ اُنھیں بزرگ کی اولاد سے ہیں کہتے تھے کہ ان حضرت سے لیکر

گیارہ پشتیں یہاں گذری ہیں۔ اسی محلہ میں ایک دوسرا تکیہ بھی ہے جس میں صدہا قبریں پختہ اور حظیرہ ہیں لیکن اس میں سے کسی بزرگ یا اولیاء اللہ کا نام نہیں سنا گیا۔

احمد بانسی

ایک نہایت سن رسیدہ بزرگ سے معلوم ہوا کہ یہ تمام قبور خاندان سید احمد بانسی کی ہیں کہ عہد نواب شجاع الدولہ بہادر میں ایسی پلٹن کے افسر تھے جس میں بائیس سو سپاہی تھے ایک بہت بڑا پرانا گنبد اس تکیہ میں ہے جو چاروں طرف سے بند ہے بہت معمر اور مسن لوگوں سے معلوم ہوا کہ مدت العمر سے یہ گنبد اسی طرح بند ہے دیکھا جاتا ہے اور اسی طرح بزرگوں سے سنتے چلے آتے ہیں فی الحال دیوار کے اوپر سے ایک طرف بارش کے باعث گنبد گر گیا ہے ایک قبر نکل آئی ہے محلہ والے اس مقبرہ کو ایک بزرگ دین کا مقبرہ بتلاتے ہیں پہلے جس وقت کہ یہ گنبد موصوفہ جو نہایت کہنہ اور چاروں طرف سے بند تھا اسکے اندر کہا جاتا ہے کہ دین درویش عالم حیات ہی میں اُسکے اندر بیٹھے تھے اور اسکو بند کرا دیا تھا واللہ اعلم بالصواب۔ بعد اس کے جانب جنوب بڑھ جایئے تو محلہ

شاہ مدار

شاہ مدار ہے کہ ایک شاہ صاحب موسوم بہ شاہ مدار بطور سیاحت یہاں آئے تھے اور اس محلہ میں قیام فرمایا تھا۔ اس محلہ میں بھی ہزارہا قبریں پختہ اور پرانی ہیں کہ ایسی کہیں موجود نہیں اسکے ادھر اُدھر سے بسبب بہاد پانی کے نالہ ہو گیا ہے اور اس تکیے کنارے کنارے نالہ ہو گیا ہے نالہ کے کنارے پر کہنہ سے قبریں گر کر زمین کے نیچے آگئی ہیں اور زمین پر پڑی ہوئی ہیں۔ اس محلہ میں خانقاہ و مکان

مسجد

و مسجد نہایت وسیع و رفیع موجود ہیں۔ ان حضرات سے شاہ اکبر علی صاحب مغفور مودود کہ نہایت صاحب علم و صاحب کمال تھے اور اپنے

حضرت شاہ اکبر علی

زمانہ کے مشائخ کبار تھے کہ زمانہ میں نواب آصف الدولہ بہادر گذرے ہیں بلکہ نواب صاحب بہادر موصوف وقت قیام فیض آباد شاہ صاحب موصوف کی ملاقات کو آیا کرتے تھے اور آپ کی خدمت میں بیٹھتے تھے اور آپ سے بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ قبر شاہ صاحب موصوف تحت پیڑ مولسری کے درخت کے نیچے ایک چبوترہ واقع ہے نہایت خوش قطع یہ مکان مسجد مکان مسجد مع مکان بطور خانقاہ نشست گاہ مع بالاخانہ دلکشا اے تھی۔ امسال شاہ صاحب

کی اولاد نے کہ لکھنؤ میں ہیں کھود کر فروخت کر ڈالا ہے صرف دیوار احاطہ کی باقی رہ گئی تھی دوسرے وارث نے آکر اسے بھی کھود کر بیچ ڈالا۔ خواجہ بشیر صاحب وغیرہ لکھنؤ میں ان شاہ صاحب کی اولاد سے ہیں۔ ان شاہ صاحب کی تصنیف سے بہت سے رسالے عربی زبان میں ہے۔ اس خانقاہ کے عقب میں بھی بہت سی قبریں بڑی بڑی ہیں اور ہزارہا پختہ ہیں اور اس تکیہ میں ہزارہا درخت شریفہ کے جم گئے ہیں اور جنگل کی مثال ہوگیا ہے اور ہر قبر پر ایک درخت کا سایہ ہے۔ اسی تکیہ کی بلندی کے اوپر ایک احاطہ

پیر کشائی کے اندر ایک بہت پرانی قبر ہے جو اندازاً چھ ہاتھ لمبی ہے اور مشہور ہے کہ یہ قبر پیر کشائی قدس سرہٗ کی ہے۔ عوام میں مشہور ہے کہ آپ حضرت سید سالار مسعود غازی کے استاد تھے۔ زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ پہلے وفائی لوگ اس قبر پر حاضر ہوتے ہیں جسکے بعد وہ میلہ حضرت سید سالار مسعود غازی کو جاتے ہیں۔ اس تکیہ میں چند مسجدیں بھی ہیں بلکہ ایک مسجد تو ایک گنبد والی ہے۔ حضرت پیر کشائی قدس سرہ کی قبر پر ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے جس پر کوئی عبارت کھدی ہوئی ہے لیکن وہ

مسجد پڑھی نہیں جاتی۔ یہ خط نسخ وغیرہ نہیں ہے۔ بجنوب کی جانب اس تکیہ کے محلہ بلندی سے جہاں سید علاؤالدین ماہر قدس سرہ کا مکان و مسکن تھا پیر ممریز قدس سرہ کا مکان و مسکن تھا۔ پیر ممریز قدس سرہ کا مزار دریا کے کنارے

پیر ممریز پر ہے۔ آپ کا ذکر کسی کتاب میں دیکھا نہیں گیا کہ آپ کس زمانہ میں تھے۔ اس کے بعد جنوب کی طرف محلہ چراغ دہلی ہے۔ وجہ تسمیہ اس

محلہ چراغ دہلی اس محلہ کی یہ ہے کہ سید یحییٰ فرزند حضرت شیخ عبداللطیف خراسانی لاہور سے بغرض سوداگری شہر اودھ میں آئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ آپ کے خلف الرشید حضرت نصیرالدین قدس سرہٗ پہلے دہلی تشریف لے گئے اور مولانا برہان الدین غریب سے علم فقہ وغیرہ کی تحصیل کی اور عین نوجوانی میں ہمراہ مولانا شمس الدین صدیقی قدس سرہ اودھی اور مولانا رفیع الدین اودھی کے کہ ان کے زمانہ میں تھے قوم چنگیز خاں کے برخلاف تغلق بادشاہ کے ساتھ اُن لوگوں کے ملک میں بغرض لڑائی کے گئے اور بعد اُس قوم کے قلع قمع کے دہلی واپس تشریف لائے اور خدمت میں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا قدس سرہٗ

کے حاضر ہوئے اور آپ کی خلافت حاصل کی اور حضرت صاحب موصوف نے لقب چراغ دہلی حاصل کیا۔ لطائف اشرفی واخبار الاخیار اور مراۃ الاسرار وغیرہ وغیرہ کتب میں لکھا ہے کہ حضرت نصیرالدین قدس سرہٗ کے دو بھانجے تھے۔ مولانا زین الدین قدس سرہٗ کہ آپ کی اولاد سے تھے جن کی اولاد جو داس پرگنہ امیٹھی ضلع لکھنؤ میں فی الحال موجود ہے مولانا موصوف کی قبر بھی قصبہ موصوف میں دریائے گومتی کے کنارے مع جامع مسجد کے موجود ہے۔

محمد کمال الدین

دوسرے بھانجے مولانا کمال الدین قدس سرہ تھے کہ آپ صاحب تصانیف تھے جنھوں نے احمد آباد گجرات میں قیام فرمایا چنانچہ اسوقت آپ کی اولاد سے سجادہ یعنی شاہ محمود صاحب احمد آباد میں موجود ہیں۔ مولوی سید صاحب علی صاحب سجادہ نشین اونچے گاؤں وجناب مولانا سید عبدالصمد صاحب سہوانی مدظلہم العالی نے ان بزرگ صاحب سجادہ کی زیارت کی تھی بہت تعریف کرتے تھے لیکن کتابوں سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ دونوں صاحب انھیں ہمشیرہ صاحبہ کے بطن سے تھے۔ جن کو بڑی بوا یا بی بی کے نام سے مشہور کیا جاتا ہے۔ یا کسی دوسری ہمشیرہ صاحبہ کے بطن سے تھے۔ لقب چراغ دہلی حضرت نظام الدین اولیاء سے آپ کو عطا ہوا تھا۔ جب آپ کا قیام زیادہ تر دہلی میں ہونے لگا تو آپ نے گو ایک طرح پر اودھ کو خیر باد کہدیا۔ لیکن آپ براہ اودھ تشریف لایا کرتے تھے۔ تاریخ فرشتہ میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ آپ کبھی کبھی ہمشیرہ صاحبہ کی زیارت کے لئے اودھ تشریف لایا کرتے تھے بلکہ محلہ موصوفہ میں ایک پرانا کنواں ملقب سابہ لفظاً صحت چاہ" کہ

صحت چاہ

بنوایا ہوا حضرت چراغ دہلی کا ہے ذکر اس کا آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کے بیان میں پیشتر ہو چکا ہے۔ یعنی بیان میں حضرت بڑی بی قدس سرہا کے۔ بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ اس کنوئیں کو حضرت چراغ دہلی قدس سرہٗ نے "صحت کنوئیں" کا لقب دیا ہے۔ اور جو مریض اسکا پانی پیتا تھا صحت پاتا تھا اور آپ کی برکت سے اب تک یہی تاثیر باقی ہے کہ جو بیمار صدق دل سے اسے پیتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں صحت عطا فرماتا ہے۔

حضرت نصیرالدین چراغ دہلی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت نصیرالدین روشن چراغ دہلی حضرت نظام الدین اولیاء کے خاص اور مشہور خلفاء میں سے ہیں۔ آپ علوم باطنی و ظاہری میں اکمل تھے۔ تصوف میں آپ کا درجہ نہایت ہی بلند ہے۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے کچھ مختصر حالات برسبیل تذکرہ محض اس وجہ سے آپ کا تعلق اس

خطۂ مبارکہ اودھ سے تھا بیان کیے جاتے ہیں۔ آپ کا وصال اٹھارہویں رمضان ۷۵۷ھ کو جمعہ کے دن ہوا۔ فیروزشاہ بادشاہ دہلی نے آپ کی درگاہ کی عمارت بنوادی۔ درگاہ کے بارہ در ہیں اور سنگ خارا کے ستون لگے ہیں۔ سب دروازوں میں سنگ سرخ کی جالیاں ہیں۔ جنوب کے ایک در میں دروازہ ہے۔ گنبد چونے اور پتھر کا بنا ہوا ہے اور اُس پر سنہرا کلس ہے اور گنبد کے اندر سنہرا کٹورا لٹکتا رہتا ہے۔ صحن درگاہ میں دو گنبد ہیں ایک میں حضرت فرید گنج کی پوتی کی قبر ہے اور دوسرے میں مخدوم زین الدین کی قبر ہے۔ ۷۴۲ھ میں محمد شاہ بادشاہ نے اس درگاہ کے گرد پونے چار لاکھ روپیہ خرچ کرکے شہر پناہ بنوادی تھی۔ اس میں چار دروازے اور ایک کھڑکی ہے۔ آپ کی تصانیف میں خیرالمجالس وغیرہ مشہور ہیں آپ نے ۸۲ برس کی عمر پائی۔ حسب ذیل مشہور غزل جناب سے منسوب ہے اور چونکہ یہ غزل غوامض و معارف سے بھری ہوئی ہے اور اکثر اصحاب کو اس کا اشتیاق رہتا ہے لہٰذا اس کو تبرکاً یہاں درج کیا جاتا ہے۔

بیکارم و با کارم چون مد بحساب اندر ۔۔۔ گویا نم و خاموشم چون خط بکتاب اندر

گہ شادم و گہ غمگیں از حال خود اے غافل ۔۔۔ می گریم و می خندم چوں طفل بخواب اندر

دریا و دار چشمم لب را نشود ہرگز ۔۔۔ زیں شعبدہ حیرانم تشنہ ست بآب اندر

از منطق و از حکمت چو عشق نفہمیدم ۔۔۔ چندانکہ نظر کردم شبہا بکتاب اندر

از قرب چہ می پرسی اے زاہد ظاہر بیں ۔۔۔ او در من و من در وے چوں بو بگلاب اندر

در سینۂ نصیرالدین جز عشق نمی گنجد ۔۔۔ ایں طرفہ تماشہ بیں دریا بحباب اندر

شاہ فتح اللہ

حضرت نصیرالدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کی اجازت سے حضرت شاہ فتح اللہ صاحب قدس سرہٗ اودھی اس محلہ میں ایک خانقاہ بنا کر اس شہر اودھ میں زاویہ گزین ہوے۔ چنانچہ ذکر اس خانقاہ کا اور ذکر حضرت شاہ فتح اللہ صاحب قدس سرہٗ اور اس شہر و خانقاہ میں آپ کی تشریف آوری کا حال حضرت مخدوم احمد شاہ عبدالحق صاحب قدس سرہ ردولوی نے اخبار الاخیار میں نہایت شرح و مفصل لکھا ہے منجملہ اس کے ایک بات یہ ہے کہ حضرت شاہ فتح اللہ صاحب متوطن قصبہ بدایوں کے تھے صغر سنی میں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا قدس سرہ بدایونی نے آپ کو بغرض تعلیم حضرت نصیرالدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کے سپرد کیا تھا۔ چنانچہ آپ ایک متبحر عالم ہوے

بعد اسکے حکیم صدرالدین طبیب دلی سے کہ جو خلیفہ اعظم حضرت نصیرالدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کے تھے خلافت حاصل کیا. حکیم صدرالدین طبیب دلہا کے صاحبزادوں کو حضرت شاہ فتح اللہ اودھی قدس سرہٗ ہمراہ لائے اور علم ظاہر و باطن تعلیم فرمایا- اُس مقام پر کہ جس جگہ اب اونچا گاؤں موضع موجود ہے یہ اُس وقت جنگل تھا. آپنے تصرفات و کمالات سے اُس جنگل کو وہاں کے راجہ سے لیکر دونوں صاحبزادوں کو وہیں مقیم فرمایا. چنانچہ اولاد اُن دونوں صاحبزادوں کی اونچا گاؤں میں ابتک موجود ہے. چنانچہ مولوی صاحب علی الاولاد دختری اُنھیں حضرات سے ہیں اور اُن کے تصرفات کا حال جبکہ راجہ سے جنگل لیا ہے بہت مشہور ہے اور ذکر ہے کہ بعد رحلت حضرت کے شاہ فتح اللہ صاحب قدس سرہٗ نے اُس محلہ میں یعنی مکان خاص حضرت نصیرالدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کو اپنا مسکن بنایا چنانچہ قبر شریف حضرت شاہ فتح اللہ صاحب قدس سرہٗ ایک احاطہ میں اب تک موجود ہے. حضرت شاہ فتح اللہ صاحب قدس سرہ سے خلافت شیخ محمد عیسیٰ قدس سرہ جونپوری ولد شیخ احمد عیسیٰ کو پہونچی. شیخ احمد عیسیٰ علمائے دہلی میں سے تھے اور شاگرد قاضی شہاب الدین دولت آبادی ثم جونپوری کے تھے حضرت محمد عیسیٰ سے دو سلسلے جاری ہوئے

خانقاہ سلسلہ حضرت شاہ فتح اللہ صاحب قدس سرہٗ

حضرت شاہ فتح اللہ اودھی قدس سرہ کے بعد خلافت شیخ محمد عیسیٰ قدس سرہٗ کو پہونچی. آپ شیخ احمد عیسیٰ کے صاحبزادے تھے جو علمائے دہلی میں سے اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی ثم جونپوری کے شاگردوں میں سے تھے. شیخ محمد عیسیٰ سے دو سلسلے جاری ہوئے اور یکے بعد دیگرے خلافت نسلاً بعد نسل مولانا محمد رشید بن شیخ مصطفےٰ النعمانی قدس سرہٗ العزیز تک پہونچی کہ جو مشہور و معروف عالم تھے اور اکثر درسی کتابیں مثل رسالۂ رشیدیہ وغیرہ کے علم مناظرہ میں سے مولانائے موصوف قدس سرہٗ کی تصنیف سے ہیں. تین مقاموں پر اس سلسلہ کی خانقاہیں تھیں. چنانچہ بنارس میں ایک خانقاہ حضرت شاہ طیب بنارسی قدس سرہٗ کے نام سے موسوم ہوئی اور دوسری شہر جونپور میں اور تیسری شہر بھیرہ میں چنانچہ مولٰنا و مقتدانا حضرت شاہ غلام معین الدین عرف دیوان شاہ اُمید علی صاحب دام برکاتہٗ جو حضرات موصوفہ کی اولاد امجاد سے ہیں، ان تینوں خانقاہوں کے سجادہ نشین ہیں اور اسوقت میں بزمانۂ تحریر کتاب فارسی نوشتہ عبدالکریم اودھی مرحوم و مغفور

جناب شاہ صاحب موصوف کی ذات بابرکات سے شہر جونپور میں پیران عظام کی برکت کے باعث درس و تدریس اور ہدایت کا سلسلہ جاری ہے اور خانقاہ کے طلبا و مریدان و حاضرین کو علاوہ اخراجات ضروری تعلیم کے درس و تدریس اور ہدایات سے فیض پہونچایا جاتا ہے۔ اکثر دور دور شہروں سے لوگ حضرت موصوف کی خانقاہ میں بمقام جونپور حاضر ہوتے ہیں۔ راقم یعنی مولوی عبدالکریم صاحب مغفور آپ کی زیارت سے مشرف ہوے تھے۔ الہ آباد میں بھی ایک دائرہ حضرت محب اللہ الہ آبادی کے نام سے مشہور ہے۔ ان حضرت صاحب کا بھی سلسلہ حضرت محمد عیسیٰ قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔

مزار حضرت شاہ قاسم قدس سرہٗ

احاطہ موصوف کی شرقی دیوار کی جانب حضرت شاہ قاسم قدس سرہٗ العزیز کی ہے۔ جن کی نسبت ایک رسالہ میں حضرت شاہ فتح اللہ قدس سرہٗ کا صاحبزادہ ہونا لکھا گیا ہے۔ اس قبر کے پیچھے بزرگوں سے سنا گیا ہے کہ قبر حضرت شاہ درویش قدس سرہٗ کی ہے جو حضرت شاہ قاسم اودھی قدس سرہٗ العزیز کے صاحبزادے تھے الغرض انھیں بزرگوں کی وہاں متبرک قبریں موجود ہیں حضرت شاہ درویش قدس سرہٗ العزیز کا سلسلہ طیبہ قادریہ تھا اور آپ کی خلافت حضرت شاہ بڈھن بہرائچی سے پہونچی تھی جو کہ جناب حافظ محمد اسمٰعیل صاحب کے مورث اعلیٰ تھے حافظ محمد اسمٰعیل صاحب مسجد ٹاٹ شاہ فیض آباد میں متوکل تھے بیسیوں اشخاص حافظ صاحب موصوف کے فیض سے حافظ ہو گئے۔ حافظ صاحب موصوف مولوی بشارت اللہ صاحب مرحوم کے بیٹے تھے۔ اور مولوی بشارت اللہ صاحب مرحوم مولوی سید نعیم اللہ صاحب مغفور بہرائچی کے داماد تھے۔ شاہ درویش قدس سرہ سے سلسلہ قادریہ کی خلافت حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کو پہونچی۔ جن کو سلسلۂ صابریہ کی خلافت حضرت احمد عبدالحق قدس سرہٗ العزیز رودولوی کے صاحبزادہ اور صاحب سجادہ سے پہونچی تھی۔ چنانچہ اکثر حضرات کو خلافت طیبہ قادریہ کی سلسلہ کی بوجہ اجازت حضرت شاہ درویش قدس سرہ کے پہونچی۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی قدس سرہٗ کہ جو اس زمانہ میں مشہور و یکتائے زمانہ ہیں اور ان کے تصرفات اظہر من الشمس ہیں اور جو ہندوستان کے اولیائے کبار سے ہیں ان کو خلافت حضرت عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کی خانقاہ سے اسی سلسلہ طیبہ قادریہ کی خلافت پہونچی۔ چنانچہ ان شجروں میں جو مولانا صاحب موصوف

نے اپنے خلیفوں کو دیا تھا۔ یہ امر دیکھا گیا ہے کہ حضرت شاہ درویش قاسم اودھی لکھا ہے اور اس عبارت سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ درویش قدس سرہٗ حضرت شیخ قاسم اودھی کے صاحبزادہ تھے۔ پتہ کے لئے شجروں میں شاہ درویش قاسم اودھی لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مزار مولوی حکیم محمد اسلم صاحب مغفور

احاطہ کے باہر جانب مولوی محمد اسلم صاحب مغفور کی قبر ہے۔ آپ عالم معقول و منقول تھے اور حکمت کے فن میں بھی وحید العصر تھے۔ آپ نے کئی رسالے منظوم تصنیف کئے تھے جو نظر سے گذرے ہیں۔ نواب آصف الدولہ وزیر اودھ کے زمانہ میں آپ شہر اودھ میں تشریف لائے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ سنا گیا ہے کہ آپ یہیں کے رہنے والے تھے۔ سیکڑوں طلباء کو آپ کی ذات بابرکات سے فائدہ پہونچا۔ چنانچہ آپ کے اکثر شاگرد علم حکمت میں بے مثل ہوے۔ مثلاً حضرت سید میاں مرتضےٰ صاحب مودودی حکمت میں آپ ہی کے شاگرد تھے۔ علاوہ حکمت کے آپ طریقت میں بھی کامل تھے۔ میاں صاحب موصوف کی خانقاہ کا ذکر پیچھے لکھا جا چکا ہے۔ آپ کے چچا زاد بھائی حضرت شاہ ارتضےٰ صاحب قدس سرہٗ تھے۔ آپ سے بہت سے خرق عادات ظاہر ہوے۔ جناب حاجی سید صفدر حسین صاحب جن کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے اور جو دہلی سے تشریف لائے تھے آپ ہی کے پوتے تھے۔ راقم کتاب ہذا مولوی عبد الکریم مرحوم و مغفور کے والد ماجد نے بھی مولانا محمد اسلم صاحب مغفور سے استفادہ حاصل کیا تھا اور یہ فرماتے تھے کہ حکیم میرزا محمد علی صاحب کہ جو لکھنؤ میں بہت مشہور و معروف تھے اپنے ہنگام قیام شہر اودھ میں مولانا صاحب موصوف سے سبق پڑھتے تھے۔ چونکہ جناب مولانا اسلم صاحب بھی قادریہ سلسلہ یعنی حضرت شاہ درویش کے مرید تھے لہٰذا آپ نے رحلت کے وقت یہ وصیت فرمائی کہ میری قبر اسی خانقاہ میں آنحضرت کے پیچھے بنائی جائے۔ چنانچہ آپ کے شاگردوں نے آپ کی قبر حضرت شاہ فتح اللہ صاحب اودھی کی قبر کے پیچھے آپ کو مدفون کیا اور قبر بنوا دی۔ حضرت شاہ فتح اللہ صاحب اودھی کا عرس زمانہ قدیم سے ۲۶ شہر جمادی الثانی کو ہوتا چلا آیا ہے۔ اصل کتاب فارسی کے لکھنے سے تقریباً چالیس برس قبل بہت سی قبریں کھنڈے کے کھدوانے میں

ضائع ہو گئیں جو قاضی محمد علی کے لڑکوں نے کھدوایا تھا۔ راقم آثم یعنی مولوی عبد الکریم

کرامات بعد وفات

مرحوم و مغفور کو خوب یاد ہے کہ جب اس بھٹہ کے لئے غار کھودا گیا۔ اکثر اسوقت کے بزرگوں نے اُن لوگوں کو منع کیا اور یہ بات اُنکو پسند نہیں ہوئی۔ قاضی صاحب کے لڑکوں اور خود قاضی صاحب نے جو اُسوقت زندہ تھے سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے۔ جب بھٹہ اینٹوں کا پکانے جانے کیلئے تیار ہوا اور اُس میں آگ دی گئی تو بھٹہ میں آگ نہیں لگی اور تھوڑے زمانہ میں قاضی صاحب کا ایک لڑکا فوت ہو گیا۔ اس کے بعد بھی تھوڑے زمانہ میں اُن کی خانہ ویرانی ہو گئی اور جلا وطن ہو گئے۔ چنانچہ بہت سی قبریں یہاں بھٹہ کے نیچے آگئی ہیں اور اکثر نمودار بھی ہیں۔

مزار شیخ عالم شہید

اس خانقاہ کے جنوب میں مسجد کے دروازے پر جو قبرستان ہے اس میں ایک قبر شیخ عالم شہید کی ہے اور یہ قبرستان عالم شہید کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں اس کے علاوہ ایک قبر پیر بادشاہ قدس سرہٗ کی ہے مولوی محمد اسلم صاحب کی قبر سے ملی ہوئی ایک قبر بھٹہ مذکور کے لب پر کہ اسوقت کھدا پڑا ہے شہید جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت شاہ فتح اللہ قدس سرہٗ کی خانقاہ

مزار پیر بادشاہ قدس سرہٗ

کی مرمت اول اول واجد علی صاحب ناظم نے کی تھی بعد ازاں گر پڑی تھی کہ شیخ رمضان علی سوداگر فیض آباد نے اس کی مرمت از سر نو کرادی اور اس خانقاہ کی درستی از سر نو مع جدید احاطہ کے خواجہ برکات اللہ صاحب اعظم گڈھی انسپکٹر آبکاری فیض آباد نے ۱۳۲۵ھ میں کرایا۔

مرمت خانقاہ شیخ فتح اللہ قدس سرہٗ

حضرت شاہ قاسم قدس سرہٗ اور شاہ درویش قدس سرہٗ کے مزاروں کی مرمت منشی محب اللہ صاحب فریدی نے کرادی جو اس زمانہ میں فیض آباد میں اکسٹرا ئی کی سررشتہ داری پر مامور تھے۔ منشی صاحب موصوف کہ مولانا محمد علی شاہ صاحب نے کہ جو اُس وقت لکھنؤ میں مقیم تھے خانقاہ کی مرمت کا ایما فرمایا تھا آپ خلیفہ حضرت امیر الدین علی شہید کے تھے۔ زہد و تقویٰ و مثنوی شریف کے وعظ میں شہرۂ آفاق تھے اور دور دور سے لوگ آپ سے مثنوی شریف کا درس لینے آتے تھے۔ جناب محمد علی شاہ صاحب

اپنے کسی مرید کے مکان میں بمحلہ چکنڈی مقیم تھے۔ اس خانقاہ کی مسجد کی اول مرمت راقم کے بچپن کے زمانہ میں سید محمد بخش صاحب رسالہ دار معروف بہ قرول پیر سید نا کفوں نے کرائی تھی جو قصبہ کیتھل ملک پنجاب (کرنال) کے باشندہ تھے۔ اس کے بعد سید جعفر صاحب آپ نے بھتیجے نے اسکی مرمت کرادی۔ اس خانقاہ کے مشرق جانب ایک بلندی پر

درگاہ حضرت مخدوم بندگی نظام

پختہ چبوترے پر مزارات ہیں اور یہ حضرت مخدوم بندگی نظام قدس سرہٗ کی درگاہ سے مشہور ہیں اس جگہ سے آثارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وسیع خانقاہ مع چہار دیواری پختہ اور ایک مسجد قناتی کے پہلے زمانہ میں موجود ہے۔ اسوقت یہ جگہ درگاہ مخدوم بندگی نظام قدس سرہٗ کے نام سے مشہور ہے۔ تذکرات میں ذکران حضرات کا پایا نہیں گیا۔ موضع کنوئی ضلع و پرگنہ سلطان پور۔ شیخ زادے خود کو حضرت مخدوم بندگی نظام قدس سرہٗ کی اولاد سے کہتے ہیں۔ اس درگاہ کے پاس ہی ایک محلہ چراغ دہلی و محلہ مخدوم بندگی نظام قدس سرہٗ کے نام سے مشہور ہے۔ تذکرات میں ذکران حضرات کا پایا نہیں گیا۔ موضع کنوئی ضلع و پرگنہ سلطان پور شیخ زادے خود کو حضرت مخدوم بندگی نظام اور محلہ مزار چپ شاہ قدس سرہٗ بڑی سڑک کے کنارے واقع ہے اور زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کا ذکر بھی تذکرہ اولیا اور دیگر کتب سے پایا نہیں گیا۔ لیکن یہ درگاہ چار یا پانچ سو سال سے مشہور چلی آتی ہے اور تمام بزرگان

مزار چپ شاہ قدس سرہٗ

اس درگاہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ اس خانقاہ میں منجملہ اور قبروں کے شاہ عبداللطیف قدس سرہٗ کی قبر ہے جو حضرت چپ شاہ قدس سرہٗ کے مزار کے متصل ہے۔ موضع بھدوکھر پرگنہ دویلی اودھ کے شیخ زادے خود کو شاہ عبداللطیف قدس سرہٗ کی اولاد سے کہتے ہیں۔ اسی درگاہ

مزار حضرت علاء الدین قدس سرہٗ

سے متعلق ایک خطیرہ (قبرستان) میں قبر حضرت سید علاء الدین قدس سرہٗ خلیفہ حضرت میرزا مظہر جان جاناں قدس سرہٗ کی ہے۔ راقم کتاب ہذا یعنی مولوی عبدالکریم صاحب مغفور کی یاد ہیں دو ایک مرید سید صاحب موصوف کے بقید حیات تھے اور ہر صفر المظفر کو سید صاحب کا عرس کرتے تھے اور راقم بھی بزرگوں کے ساتھ اس

عرس میں حاضر ہوتا تھا۔ یہ بزرگ جناب سید صاحب مغفور کی کمال ریاضت اور رات دن عبادت میں مشغول رہنے کا ذکر کرتے تھے۔ بر سبیل تذکرہ مترجم کچھ حالات مرزا مظہر جانجاں قدس سرہ کے حوالہ قلم کرتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب محمد بن حنفیہؓ سے ملتا ہے کہ جو حضرت علیؓ کے بیٹے تھے مظہرؔ آپ کا تخلص تھا ۳۰ برس تک آپ نے مدرسوں اور خانقاہوں میں عقید تمندانہ زندگی بسر کی قطع نظر کمال شاعری کے آپ کے ہزارہا مسلمان اور ہندو مرید تھے اور دل سے اعتقاد رکھتے تھے۔ آپ نے علم حدیث کو

شہادت میرزا مظہر جانجاں قدس سرہٗ

باقاعدہ پڑھا تھا۔ حنفی مذہب کے ساتھ نقشبندی طریقہ کے پابند تھے اور احکام شریعت کو نہایت صدق دل سے ادا فرماتے تھے۔ مولوی علام یحیٰی صاحب فاضل جلیل جنھوں نے میر زاہد کتاب پر حاشیہ لکھا ہے علمی ہدایت پر آپ کے مرید ہوے۔ مرزا صاحب قدس سرہ کے وصال اس قابل ہے کہ وہ قلمبند کرنے سے نہ چھوڑا جائے۔ نقل ہے کہ ایک معتقد کا بیٹا کوئی غزل بغرض اصلاح لایا۔ آپ فارسی کے علاوہ اردو میں بھی اپنا کلام فرماتے تھے آپ کی عمر اس وقت تقریباً ۸۰ برس کی تھی۔ مرزا صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اصلاح کا کسے ہوش و حواس ہے' اب عالم کچھ اور ہے معتقد کے لڑکے نے عرض کی کہ میں فقط بطور تبرک سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ اس وقت ایک شعر خیال میں آیا ہے۔ اسی کو تبرک اور اصلاح سمجھ لو ؎

لوگ کہتے ہیں مر گیا مظہر فی الحقیقت میں گھر گیا مظہر

اسی دن رات کو ساتویں محرم تھی کہ رات کے وقت ایک شخص مٹھائی کی ٹوکری ہاتھ میں لیکر آیا اور ظاہر کیا کہ میں مرید ہوں نذر لے کر آیا ہوں۔ مرزا مظہر جانجاں قدس سرہٗ باہر نکلے۔ اس شقی نے قرابین ماری کہ گولی سینہ سے پار ہو گئی۔ قاتل بھاگ گیا۔ تین دن تک مرزا صاحب زندہ رہے اور حسب ذیل اپنا شعر پڑھ پڑھ کر عالم اضطراب میں غلطاں ہوتے تھے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ تین دن نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے گزارے شاہ عالم بادشاہ کو جب اس شہادت کی خبر پہونچی اور نشان و پتہ قاتل کا جو لاپتہ ہو گیا تھا پوچھوایا تو آپ نے

فرمایا کہ فقیر کشتۂ راہ خدا ہیں۔ مردہ کا مارنا قتل نہیں ہے۔ اگر قاتل ملے تو آپ سزا نہ دیں۔ بلکہ میرے پاس بھیجدیں۔ آخرالامر عشرۂ محرم کو مرزا صاحب قدس سرہ کے رحلت فرمائی۔ مادۂ تاریخ آپ کی وفات کا خاص الفاظ میں"

مرزا مظہر جانجاں قدس سرہ کو کسی سخت جاہل فولاد خاں نام نے شہید کیا حکیم قدرت اللہ خاں قاسم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ میرزا صاحب اپنے کلام میں اکثر اشعار حضرت علیؓ کی مدح میں کہا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کا یہ شعر ہے ؎

نہ کرد منظہر ما لحاعتے د بخاک رفت　　　نجات خود بہ تولاے بوتراب گذاشت

اردو میں بھی آپ شعر فرماتے تھے۔ چنانچہ حسب ذیل شعر آپ کا مشہور ومعروف ہے

ہو تو سنی پر علیؓ کا صدق دل سے ہوں غلام　　　خواہ ایرانی کہو تم خواہ تورانی مجھے

دہلی میں محلہ چتلی قبر کے پاس آپ کو گھر ہی میں دفن کیا گیا، اور وہ اب خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔ قبر شریف پر میرزا صاحب کا ہی شعر لکھا ہے اور وہ یہ ہے ؎

بہ لوح تربتِ من یافتند از غیب تحریرے　　　کہ ایں مقتول راجز بیگناہی نیست تقصیرے

حضرت سید علاء الدین صاحب کے مریدین خانقاہ میں علاوہ سید صاحب کے فاتحہ کے حضرت میرزا مظہر جانجاں قدس سرہ اور حضرت صوفی آباد دانی صاحب قدس سرہ کا بھی فاتحہ دلواتے تھے۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سلسلہ بیعت وخلافت کا ان دونوں حضرات سے انکو پہونچا تھا۔ راقم کتاب ہذا یعنی مولوی عبدالکریم مرحوم ومغفور نے اپنے والد سے سنا ہے کہ جناب نواب امجد علی خاں صاحب دہلوی حضرت صوفی اہادانی کے خلیفہ تھے۔ وہ ۱۲۱۵ھ ہجری قدسی میں حضرت سید صاحب موصوف اور جناب محمد اسلم صاحب کی ملاقات کے لیے علاقہ گونڈہ سے اودھ میں تشریف لائے تھے۔ مولوی محمد اسلم صاحب کا تذکرہ سابق میں کیا جاچکا ہے۔

نواب امجد علی خاں صاحب دہلوی مغفور

نواب امجد علی خاں صاحب مغفور کا مزار لکھنؤ میں بہ محلہ تالاب گنگنی شو کل مشہور ہے۔ غازی پور اور ضلع اعظم گڈھ کے اکثر حضرات جوکہ حضرت شاہ عبدالحکیم صاحب قدس سرہ کے سلسلہ میں مرید ہیں زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ راقم کتاب کے والد ماجد فرمانے تھے کہ جناب نواب صاحب جب اودھ میں ان حضرات کی ملاقات کو تشریف لاتے تھے تو اس وقت میں مولوی

محمد اسلم صاحب قدس سرہ سے سبق پڑھا تھا۔ حضرت مخدوم صاحب ردولوی کے عرس میں ان تینوں کے ہمراہ عرس شریف میں حاضر ہوا تھا۔ جناب قاضی شاہ عنایت حسین صاحب جو حضرت عبدالحلیم صاحب قدس سرہ کے خلیفہ اور حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب چریاکوٹی ضلع اعظم گڈھ کی اولاد میں سے تھے، یہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ عبدالحلیم صاحب قدس سرہ کو خلافت اور اجازت نواب امجد علی خاں صاحب مغفور سے پہونچی تھی۔ جناب نواب امجد علی خاں صاحب دہلوی نواب عبدالحد خاں صاحب وزیر خزانہ محمد شاہ بادشاہ کے تھے اور حضرت شاہ اسمٰعیل چریاکوٹی حضرت چراغ دہلی قدس سرہٗ کی ہمشیرہ صاحبہ کی اولاد سے ہیں۔ اس خانقاہ کے مغرب جانب کراہ کے لب پر املی کے درخت کے نیچے ایک چبوترہ پر ایک بزرگ کی قبر ہے۔ اور ابتک ایک مسجد کا نشان بھی موجود ہے لیکن ان بزرگ کا نام مبارک سنا نہیں گیا البتہ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مزار زمانہ سلف کا ہے اور اکثر معتبر اشخاص سے سُنا گیا ہے کہ یہاں کسی بزرگ کا مزار ہے اور یہ حضرت چراغ دہلوی قدس سرہٗ کے سلسلہ میں ہے۔

خانقاہ شاہ مظفر قدس سرہٗ جنوب کے گوشہ کی طرف مسجد اور خانقاہ شاہ مظفر قدس سرہٗ کی ہے جن کو اُس زمانہ میں باجتی بھی کہتے تھے اور زمانۂ عالمگیر بادشاہ کے تھے۔ اس وقت شاہ صاحب مرحوم کے زمانہ کی مسجد قائم اور بفضلہ آباد ہے۔ جناب شاہ صاحب اس زمانہ میں مشائخ کبار میں سے تھے اور بہت مشہور تھے۔ جناب شاہ عبدالحق صاحب مغفور کہ جن کی زیارت راقم کتاب ہذا نے کی ہے۔ جناب شاہ صاحب کی اولاد دختری سے تھے اور نہایت بزرگ اور فقیہ تھے۔ چنانچہ اکثر کتابیں آپ نے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مصنف مالابد منہ سے پڑھی تھیں۔ آپ کو نماز پنجگانہ کی ایسی عادت تھی کہ رحلت کرنے کے دو ایک روز قبل سے آپ کے ہوش و حواس نہ تھے لیکن نماز کے وقت تکیہ پر تیمم کرتے تھے۔ آپ نے ۱۲۶۹ سنہ ہجری میں بروز ہفتم ربیع الاول یوم یکشنبہ رحلت کی۔ اس خانقاہ میں ایک

مزار شاہ عبدالحق ایک بلند چبوترہ پر شاہ مظفر صاحب ممدوح الذکر اور ان کے جملہ خاندان کی قبریں اب تک موجود ہیں۔ حضرت شاہ عبدالحق کے بعد شاہ علاءالحق صاحب سجادہ نشین ہوئے اور آپ نے ۲۲ رمضان ۱۲۷۱ سنہ کو رحلت

کی. اس خانقاہ اور مسجد کے لئے زمانۂ شاہی لکھنؤ تک عالمگیر بادشاہ غازی نوراللہ مرقدہٗ کے زمانہ سے ۴۰۰ روپیہ سالانہ مصارف صادر وارد خانقاہ اور مسجد کے لئے مقرر و معاف تھا. شاہ علاءالحق صاحب کے بعد شاہ احمد زماں صاحب سجادہ نشین ہوئے مگر آپ نے بھی عالم شباب میں رحلت کی. اس کے بعد خانقاہ اور مسجد کی آبادی شاہ سید عبدالغفور صاحب سے ہوئی. آپ شاہ عبدالحق صاحب کے داماد اور نواسے بھی تھے شاہ عبدالغفور کی قبر بھی اسی خانقاہ میں ہے. (اب یہ خانقاہ اور مسجد مولوی عبدالستار صاحب کے قبضہ میں ہے) اس خانقاہ کی مسجد کے جانب دکھن حضرت شاہ جمال گوجری

مزار حضرت شاہ جمال گوجری قدس سرہٗ

قدس سرہٗ کی درگاہ ہے جن کا ذکر اخبارالاخیار و مراۃ الاسرار وغیرہ اور نیز ملفوظات حضرت مخدوم احمد عبدالحق قدس سرہٗ رودولوی میں آیا ہے. آپکے تصرف کے حالات احاطۂ تحریر سے باہر ہیں. حضرت مخدوم صاحب رودولوی اپنے ملفوظات میں حضرت جمال گوجری کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ بھگڑے جو کہ دکھن میں سمندر کے کنارے واقع ہے پنڈوا اک جو کہ بنگال میں واقع ہے میں نے گشت کیا اور صرف ایک مسلمان بچہ مجھکو ملا یعنی شاہ جمال گوجری. جس مقام پر حضرت مخدوم عبدالحق صاحب قدس سرہٗ نے ۶ ماہ تک قبر میں چلّہ کشی کی تھی اُسی مقام پر حضرت مخدوم احمد عبدالحق قدس سرہٗ نے ۶ ماہ تک چلّہ کشی کی تھی اُسی مقام پر حضرت شاہ جمال گوجری کی قبر بنوائی گئی. مصنف اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ اودھ میں حضرت مخدوم صاحب کے مسکن میں ایک کتیا نے بچے دیے اور ایک دن مخدوم صاحب نے اُس کتیا کی بچہ کی پیدائش میں شہر والوں کو دعوت دی اور تمام شہر کے رُؤسا کو طلب کیا. لیکن حضرت شاہ جمال گوجری کو اس محفل میں طلب نہیں کیا. دعوت کے دوسرے دن علی الصباح حضرت شاہ جمال گوجری نے عرض کیا کہ کل کی دعوت میں عاجز کو جناب بھول گئے. جس کا جواب مخدوم صاحب نے یہ دیا کہ یہ کتوں کی مہمانی تھی، میں نے دُنیا کے کتوں کو بلایا، تو مسلمان کا بچہ ہے تجکو اس دعوت سے کیا واسطہ صاحب مراۃ الاسرار نے گوجری کے لقب ہونے کی یہ وجہ لکھی ہے کہ ایک روز جناب سید شاہ موسیٰ عاشقاں قدس سرہٗ کے دولت خانہ میں فاقہ تھا حضرت شاہ جمال کو

تصرفات باطنی سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہاں آج کھانے کو کچھ نہیں ہے چنانچہ شیر برنج پکوا کر ایک مٹی کے برتن میں اپنے سر پر رکھ کر خود ہی لے گئے بوقت شب۔ جناب سید صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بابا منگل گوجراں آور دی۔ اسی دن سے لقب آپ کا گوجری پڑ گیا۔ اس درگاہ کے مشرق طرف محلہ اکبر پور ہے۔ اکبر بادشاہ نے اس کوٹ کا نام اکبر پور رکھا، اور اس قلعہ کے اندر کی آراضی کو اسوقت کے مشائخ کے واسطے قبرگاہ کے عطا فرمایا چنانچہ اکثر فرمانوں میں یہ عبارت دیکھی گئی ہے کہ اسقدر آراضی واسطے تکیہ کے دی گئی چند تکیے اس قلعہ کے اندر رکھے اور اس میں ہزارہا قبریں پختہ تھیں۔ مسجد بابری کے مغرب جانب آراضی تکیہ قاضی عبدالحفیظ ورقہ شیخ قطب الدین صاحب رئیس محلہ شیخانہ کی ہے اس تکیہ میں شیخ زادوں یعنی ان بزرگ کی اولاد کی بہت سی قبریں تھیں لیکن حال کے زمانہ میں اکثر ان شیخ زادوں کے وارثوں نے قبرستان یعنی تکیہ کو پہلے اپنے فائدہ کے لئے مراٹھان کو تو ماکو بونے کے لئے دیا، لیکن انھوں نے رفتہ رفتہ ان قبروں کو کھود ڈالا اور اینٹوں کو فروخت کر ڈالا اور اس کو زمین کے برابر کھیت کر دیا۔ اس کے بعد ان ہی شیخ زادوں نے بہت بڑی رقم کے معاوضہ پر بیراگیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ چنانچہ وسیع اور بلند استھان جو کہ اس مسجد سے جگ محل کے استھان تک ہیں جو کہ اسی آراضی پر راقم کتاب یعنی مولوی عبدالکریم مرحوم و مغفور کے روبرو تعمیر ہوا۔ ان استھانوں کے پیچھے اکثر پختہ قبریں باقی رہ گئی ہیں۔ اس مسجد کی

مزار پیر نصیر الدین

پشت پر زمانۂ سابق سے پیر نصیر الدین کی قبر مشہور چلی آتی ہے۔ لوگ اس قبر پر نذر و نیاز کرتے ہیں۔ لیکن ان کا سلسلہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس زمانہ میں گزرے ہیں اس مسجد کے جنوب میں بہت سی قبریں املی کے درخت کے نیچے ہیں۔ منجملہ اسکے ایک پختہ احاطہ میں میر فتح علی صاحب کی قبرگاہ ہے جو دیغ کلال کے نام سے مشہور تھے۔ میر حیدر علی کے فرزندوں میں میر فتح علی صاحب و میر دوست علی صاحب تھے میر صاحب موصوف کی اولاد نہایت ذی علم اور لئیق تھی۔ علاوہ اسکے میر فتح علی کی اولاد سے میر غضنفر علی صاحب و میر محمد علی صاحب و میر بزرگ علی صاحب بھی نہایت عالم و فاضل تھے۔ اکثر قصائد ان صاحبوں کے مشہور ہیں۔ میر دوست

احوال خاندان میر فتح علی صاحب مرحوم

علی صاحب کی اولاد سے احمد علی صاحب و میر قطب علی صاحب تھے۔ قطعہ تاریخ میر حیدر علی صاحب

چہ خوش بود سید عالی تبار　　چو نام علی حیدر نامدار
ہفتاد و ہفت سال عمر گذشت　　بعصمت بماندہ بعزت برفت

تھوڑے عرصہ سے اس خاندان کی اولاد بوجہ زمینداری کے موضع میرپور منجھوا پرگنہ و ضلع بستی میں آباد ہو گئی ہے۔ مولوی جعفر علی صاحب مرحوم کے فرزند اور میر فتح علی صاحب کے نواسے اور میر دوست علی صاحب کے پوتے تھے۔ مولوی جعفر علی صاحب حضرت سید احمد صاحب بریلوی کے خلیفہ تھے۔ اور ان کے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے سفر میں ہمرکاب اور منشی قافلہ تھے۔ نثر کی تحریر میں مہارت دستگاہ اچھی رکھتے تھے۔ چنانچہ ٹونک کی تاریخ میں جناب .... کا حال سید محمد صاحب نے مفصل تحریر کیا ہے۔ اسی احاطہ کے متصل ایک ریٹھہ

مزار بزرگ نصیر الدین

کے درخت کے نیچے ایک بڑا سا چبوترہ ہے۔ اس پر قبر ایک بزرگ نصیر الدین صاحب طریقت کی ہے۔ اکثر حضرت نے یہاں مراقبہ کیا اور نہایت خوش و محظوظ ہوئے۔ اس درگاہ کے مشرق جانب ایک مسجد تنا تی ہے کہ کرسی اس کی بلندی ہے۔ اس صحن میں قبر حضرت قاضی قدوائی قدس سرہ العزیز کی

مزار قاضی قدوائی صاحب قدس سرہٗ مورث قدوائیان

ہے اس قبر کے گرد ہیں خصوصاً جنوب کی طرف بہت سی قبریں بلکہ صدہا ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اس جگہ بھی تمباکو کی کاشت سے بہت سی قبریں تلف ہو گئیں تقریباً نو سو برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ قاضی قدوئی صاحب قدس سرہٗ العزیز بطور حاکم کے اس شہر میں آئے تھے۔ چنانچہ قاضی قدوئی صاحب کے نام سے ایک محلہ لب دریا آباد تھا اور پہلے وہیں قبر جناب قاضی صاحب قدس سرہٗ العزیز کی تھی تقریباً دو سو برس ہوتے ہیں کہ یہ محلہ دریائے گھاگھرا کی روانی میں آگیا۔ اس محلہ کے باشندوں نے قاضی صاحب قدس سرہ العزیز کی لاش کا تذکرہ ہے کہ دریا میں طغیانی آنے قبل بذریعہ خواب قاضی قدوائی صاحب قدس سرہٗ العزیز نے ایک بزرگ کو خبردار کیا کہ

ہماری لاش یہاں سے دوسری جگہ منتقل کی جائے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی نعش مبارک کو جب وہاں سے منتقل کیا جانے لگا تو آپ کی نعش مبارک بحیرالعقول اوپر سلامت تھی اور اس میں ایک قدرتی خوشبو باقی تھی حضرت قاضی قدوۃ الدین صاحب قدس سرہٗ العزیز کی اولاد لکھنؤ اور نواب گنج بارہ بنکی جوار اور قریات میں آباد ہیں۔ اور یہ جوارہ قریات اور قصبات انکی زمینداری ہے۔ اور وہ سب شیخ زادہ ہائے قدوائی کے نام سے مشہور ہیں۔ چنانچہ اب بھی ان بزرگ کے نام نامی سے اکثر اصحاب اپنے نام کے ساتھ قدوائی کے لقب سے مشہور و معروف ہیں۔ ضلع فیض آباد میں ٹانڈہ کے قریب موضع سوراپور میں جواب ریلوے اسٹیشن ہے وہاں کا ایک خاندان منسوب بہ قدوائی ہے۔ چنانچہ شیخ محمد اسحٰق صاحب زمیندار موضع سوراپور بھی قدوائی ہیں۔ جنوب کے جانب اس مشہور قلعہ کا برج ثانی تھا اور مشہور ہے کہ راجہ رامچندر جی کے زمانے میں یہ مکان خزانہ کا تھا اور کھمبر نامی خزانچی راجہ موصوف کا وہاں رہتا تھا چنانچہ اسی مناسبت سے ہندو لوگ اس کو کھمبر ٹیلہ کہتے ہیں۔ تقریبًا ۹۰۰ سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ جب اودھ میں کسی راجہ کی راجدھانی تھی اور اسی کے زمانہ میں شہر اودھ اس کا پائے تخت تھا۔ ایک کامل درویش کا گذر اس شہر میں ہوا اور اُنھوں نے اس برج پر اقامت اختیار فرمائی۔ راجہ کے آدمیوں نے اس فقیر سے مزاحمت کی اور فقیر کو تکلیف دی۔ اس درویش نے سارنگ یعنی شہد کی مکھی کو حکم دیا۔ اُن مکھیوں نے راجہ کے آدمیوں کو اس قدر کاٹا اور راجہ کے جسم میں بھی مکھیاں اسقدر لپٹ گئیں کہ یہ لوگ اپنی جانیں بچانے کے لئے دریا میں کود پڑے اور غرق ہو گئے

مزار خواجہ اینٹھی صاحب قدس سرہٗ

بعض کا بیان ہے کہ ان درویش صاحب نے اصرار کیا تھا کہ اس برج پر ہمارا اور ہمارے ساتھیوں کا مزار ہوگا۔ چنانچہ سب کے سب معرکہ میں شہید ہوئے چنانچہ ان درویش صاحب کی قبر اور اُن کے ساتھیوں کی قبریں مع صدہا قبروں کے اس ٹیلہ پر موجود ہیں۔ جب سے اس ٹیلہ پر ان بزرگ کا مزار تعمیر ہوا خلق اللہ اس ٹیلہ کو خواجہ اینٹھی کہنے لگے۔ وجہ تسمیہ خواجہ اینٹھی کی یہی ہے کہ خواجہ صاحب نے ہٹ اصرار اس برج پر رہنے کا کیا تھا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور اُنکی اور اُنکے ہمراہیوں

کی قبریں یہاں تعمیر ہوئیں - خواجہ صاحب قدس سرہ کی قبر ایک احاطہ میں ہے - دیگر صدہا قبریں جو اس ٹیلہ پر ہیں اُن کی نسبت یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کس شہید یا اولیاء اللہ کی قبر ہے - اب ٹیلہ کے قریب ایک احاطہ میں کھیتوں کے درمیان اُن متولیوں کی قبریں ہیں جو گذشتہ بادشاہوں کے زمانہ میں تھے . حال کے زمانہ میں شیخ قادر بخش صاحب عرف شیخ بھلئی اس خاندان کے باقی رہ گئے تھے . ان کے مکانات بہت اونچے اور بلند اس زمانہ میں تھے اور اودھ کے بڑے بڑے مکانوں میں ان کا شمار ہوتا تھا - تیسرے برج کا نام سگریم ٹیلہ ہے . اس ٹیلہ پر بھی قبروں کے آثار موجود ہیں . اس برج کے نیچے مشرق کی طرف یقین شاہ کا تکیہ ہے - اور اس تکیہ میں کھیتی کے باعث بہت سی قبریں ضائع ہوئیں - ایک قبر باقی رہ گئی ہے - جس پر ایک

یقین شاہ

کتبہ لکھا ہے - اس تکیہ کے پچھم کی طرف ایک مسجد کرارہ پر مع قبرستان کے ہے - جو فوجی صاحب کے نام سے مشہور ہے لیکن بالکل اُفتادہ ہے

فوجی صاحب

چوتھا برج مشرق کی طرف ہے جو ہنومان ٹیلے کے نام سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ راجہ رامچندر جی کے وقت میں ہنومان کا قیام اسی

ہنومان گڑھی کی تعمیر کا حال

ٹیلہ پر تھا . شاہ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں ایک مسجد اس ٹیلہ پر بنی ہوئی تھی . لیکن زمانہ کے بعد شکست ہوگئی اور دیوار کے پیچھے کی کہ جس پر اللہ کا نام سنگ موسیٰ پر کھدا ہوا تھا باقی رہ گئی تھی اور تقریباً ۱۳۰ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ یہ دیوار موجود تھی اور ٹیلہ بھی تکیہ میں تھا اور باقی شاہ صاحب کے قبضہ میں تھا جو آزاد درویش تھے جن کی قبر کا حال پہلے بیان ہوچکا ہے . نواب شجاع الدولہ مرحوم کے زمانہ تک باقی شاہ کے چیلوں کا قبضہ اس ٹیلہ پر تھا - ہمت گیر اور امرا دگیر نواب صاحب موصوف کے مصاحب خاص تھے اور بہت سے ناگوں کے جو نواب صاحب موصوف کے ملازم تھے افسر تھے . نواب صاحب کے مسند وزیارت پر بیٹھنے کے وقت گوشائیوں کے ساتھی ناگوں نے ایک نمایاں کام کیا تھا جو نواب صاحب کی خوشی کا باعث ہوا . جس کا حال عماد السعادت میں تحریر ہے چنانچہ نواب صاحب کی اجازت سے گوشائیوں نے ایک کوٹھری کی جگہ اس ٹیلہ پر حاصل کی اور ہنومان

مورت اس جگہ لگائی۔ پہلے گوسائیں لوگ اس مندر پر قابض تھے۔ اس کے بہت عرصہ بعد یہ مندر ناگوں کے قبضہ میں آگیا کہ اب بھی یعنی اصل کتاب کی تحریر کے وقت تک قابض تھے۔ بزرگ لوگ کہتے تھے کہ قبضہ مندر کے وقت آتیسوں اور ناگوں کے درمیان بہت جنگ ہوئی۔ ناگوں نے قبضہ کرنے کے بعد رفتہ رفتہ عمارت بنانا شروع کی۔ راقم کتاب ہذا یعنی مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم و مغفور کی یاد میں اس ٹیلہ میں صرف دو برج اُتر کی طرف تھے۔ اس کے بعد تھوڑا زمانہ گذرا کہ دکھن کی جانب دو برج تیار ہوے۔ جب سے یہ برج وغیرہ تیار ہوے اور ایک بڑا احاطہ کھینچا گیا اس کا نام جو پہلے ہنومان ٹیلہ اور سگریم ٹیلہ کے تھا ہنومان گڈھی پڑگیا لیکن پشت کی دیوار کی طرف مسجد کی وہ دیوار باقی تھی مع اُس طاقچہ کے کہ جس میں نام اللہ کھدا ہوا تھا۔ تھوڑا زمانہ گذرتا ہے کہ اس کو بالکل نابید کر دیا گیا بلکہ دیوار مسجد کو بھی اندر کر کے اس سے ملا کر دوسری دیوار اس میں چسپاں کر دی گئی جو کہ کنوئیں کی دیوار میں گری۔ اس جگہ پر مغرب جانب چند قدم کے فاصلہ پر مندر ہنومان تھا۔

واجد علی شاہ کے زمانہ میں معرکہ مسجد

چنانچہ اسی مسجد کے واسطے غلام حسین شاہ نے واجد علی بادشاہ اودھ کے زمانہ میں نشان محمدی کھڑا کیا۔ پہلے پہل جناب مولوی محمد صالح صاحب و حافظ لقمان صاحب سندیلی کہ نہایت ذی استعداد اور اہل تقوے سے تھے مع قاضی نورالدین صاحب، ساکن جوار جونپور و فقیراللہ دریاآبادی و عبدالقادر طالبعلم و حاجی دیدار بخش ساکن موائمہ وغیرہ علاقہ اعظم گڈھ و رستم علی خاں صاحب و احمد علی خاں صاحب برادران علیسیٰ خلہ، حسین علی خاں رسالدار مشہور دکھنی ساکنان محلہ حیدرآباد لکھنؤ ۱۷ ارشوال ۱۲۷۱ھ کو مع ۱۰۱ اشخاص کے اودھ میں بھیجے گئے۔ چنانچہ یہ لوگ اُس مسجد بابری میں کہ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ٹھہرے۔ کیفیت اس حال کی کتاب حدیقۃ الشہدا میں من وعن درج ہے۔ ان کے بعد خود غلام حسین شاہ رستم علی خاں صاحب موصوف کے ساتھ ان لوگوں کو مسجد میں بٹھلا کر درویش مذکور کے پاس گئے اور ۱۱ ذیقعدہ یوم پنجشنبہ کو مسجد موصوفہ میں مع اپنے ہمراہیوں کے پہونچے اور

بارہویں تاریخ کو بروز جمعہ بہادر خاں صاحب جو اپنے صاحبزادوں کے ساتھ نصیر آباد میں وہاں کے مولوی صاحبان کے پاس اسی مہم میں شرکت کے لئے گئے تھے واپس آگئے اور غلام حسین شاہ کے شریک ہوئے۔ تقریباً بارہ طالب علم وغیرہ بستی کے علاقہ سے جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوئے۔ تیرھویں تاریخ ذیقعدہ کو سنیچر کے دن جب حکام کی طرف سے بہت قیل وقال ہو چکی تو دوپہر سے جنگ شروع ہو گئی اور اسی درمیان میں بارش ہونے پر جنگ موقوف ہو گئی حکام کی طرف سے شام کو گارد مسجد کے دروازہ پر پہونچا اور اُس نے طرفین کو جنگ کرنے سے ممانعت کی۔ اُسوقت فقط چھ آدمیوں نے مع رستم علی خاں صاحب اور شیخ الگو نورباف باشندۂ مقرہ۔ نے جن کے ساتھ ان کی قوم کے دس بارہ آدمی اور شریک تھے شربت شہادت چکھا جنکو بندوق کی گولی کا صدمہ پہونچا تھا۔ اس کے بعد شام کو نماز مغرب کے قریب شہر کے باشندے جو شریک تھے ممانعت جنگ کا حکم پاکر اپنے اپنے مکان کو چلے گئے صرف مسافرین اور شیخ الگو اور حسین خاں صاحب وغیرہ جو کلکٹر بار پلٹن کے ملازمین میں سے تھے مسجد کے اندر رہ گئے تھے باقی تھے یکایک بیراگیوں نے دیہاتیوں کی امداد سے جن کو تعلقداروں نے بھیجا تھا یورش کرکے مسجد کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس جماعت میں فقط غلام حسین شاہ تھے جو مسجد کی دیوار سے کود کر باہر نکل گئے۔ اس کے بعد جن لوگوں کا نام اوپر درج ہے انھوں نے جنگ کی اور صدہا اشخاص کو تہ تیغ کرکے شربت شہادت پیا۔ علی الصباح کوتوال وغیرہ اور اہل شہر حاضر ہوئے اور مسجد کے دروازہ پر گنج شہیداں میں مع مولوی محمد صالح کی نعش کو مدفون کیا۔ صرف رستم علی خاں صاحب و مرزا احمد علی خاں صاحب کی دو قبریں احاطہ سے علیحدہ بنائی گئیں۔ جملہ ۶۹ اشخاص شہید ہوئے

انواری

ان اشخاص میں شہر اودھ کے شجاعان میں سے مرزا افضل بیگ صاحب اور شیخ انواری صاحب مجذوب شہر اودھ کے بھی تھے۔ جنھوں نے عین معرکہ کے وقت لکڑی لے کر مسلمانوں کی شرکت کی اور شربت شہادت پیا۔ اس کوٹ کے اندر جس قدر قبریں ہیں اُن کا حال مع چبار برج کے جو کچھ دیکھا سنا تحریر کیا گیا۔ اس کوٹ کے نیچے اُتر کی جانب ایک مکان اور ایک مسجد۔

یک برجی لب کرارہ ہے اور اس مسجد کے نیچے قاضی محمد ماہ کا قبرستان ہے جو کہ زمانۂ سابق میں اس شہر کے قاضی تھے اور یہاں حضرت سید بدیع الدین جونپوری کی بھی قبر ہے جن کا حال اوپر لکھا جاچکا ہے۔ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں قاضی محمد ماہ کے خاندان میں آپ کی شادی ہوئی اور انھوں نے شہزادہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ قاضی غلام رسول صاحب قاضی حیدر بخش کے اجداد میں سے اور حضرت شاہ بدیع الدین صاحب کے داماد تھے۔ قضیانہ کا ورثہ اُنکو پہنچا۔ خواجہ

تکیہ شاہ محمد یار صاحب

ہتھی کے ٹیلہ کے نیچے مسجد اور خانقاہ یعنی تکیہ شاہ محمد یار صاحب کی ہے۔ یہ بزرگوار نواب شجاع الدولہ بہادر کے عہد میں تھے۔ نواب صاحب کی سرکار سے ۱۶ بیگہ آراضی اس کوٹ میں تکیہ کی غرض سے اُنکو مرحمت ہوئی تھی۔ اس تکیہ میں بہت سی قبریں علاوہ شاہ محمد یار صاحب اور شاہ سعادت علی صاحب کی قبروں کے ہیں۔ شاہ سعادت علی صاحب شاہ محمد یار کے فرزند تھے۔ اس تکیہ میں صاحب داد خاں صاحب ناغز کی بھی قبر ہے جو اپنے عہد کے مشائخ میں سے تھے اور ہمیشہ کلام مجید کی تحریر میں مشغول رہا کرتے تھے۔ جس کے علاوہ آپ کا کوئی شغل نہ تھا۔ آپ کی قبر ایک باغ ابنہ میں شاہ صاحبان موصوف کی قبروں کے متصل ہے آپ میاں برحق شاہ صاحب کے خلیفہ تھے۔ اسی جگہ پر مسجد شاہ سعادت علی صاحب کے عقب میں سبحان شاہ صاحب مغفور کی قبر ہے۔ آپ اہل جذب

قبر شاہ سبحان صاحب

میں سے تھے اور نہایت سن رسیدہ تھے۔ راقم کتاب ہذا کے والد ماجد فرماتے تھے کہ آپ میرے بچپن کے زمانہ تک تھے۔ اسی کے قریب ایک مکان میں ناغز پٹھانوں میں سے ایک بزرگ تھے۔ جو اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے چارپائی سے نہیں اُٹھ سکتے تھے۔ اور اسی جگہ رفع حاجت ضرور یہ کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ کو یاد الٰہی اس قدر رہا کرتی تھی کہ ایک لمحہ بھی آپ غافل اس سے نہ ہوتے تھے۔ اور آپ کے قلب سے اکثر آواز نکلتی تھی۔ تمام رؤساء اور مشائخ اس وقت کے بہت معتقد تھے۔ اسی مسجد کے عقب میں یہاں مزار حضرت شاہ سبحان صاحب ہے

حاجی مخدوم صاحب کا مزار ہے جو کہ قاضی عبد الکریم صاحب قدس سرہٗ بریلوی کے خلیفہ اور نہایت بزرگ اور فقیہ اور اہل تقویٰ میں سے تھے۔ آپ شاہ سعادت علی صاحب کے کہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ داماد تھے۔ اس مسجد اور درگاہ کے جنوب محلہ قضیانہ میں قاضی لطف اللہ صاحب انصاری کی مسجد کے دروازہ کے سامنے جو عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں صدر الصدور تھے حضرت شاہ جلال صاحب قدس سرہٗ

مزار حضرت شاہ جلال قدس سرہٗ

کا مزار ہے۔ گری ہوئی عمارتوں اور بنیادوں کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ پر ایک وسیع خانقاہ تھی۔ آپ اس جگہ کے صاحب ولایت اور کرامات میں سے تھے چنانچہ حضرت سلطان سید موسیٰ عاشقاں قدس سرہٗ شہر اودھ میں حضرت شاہ جلال صاحب کی اجازت سے مقیم ہوئے۔ ابھی تک آپ کے مزار کا فیض جاری ہے۔ جناب موصوف کے سلسلہ کا حال معلوم نہیں ہوا۔ لیکن اکثر کتب مرأۃ الاسرار و لطائف اشرفی

شہر اودھ میں بابر شاہ کی آمد

وغیرہ میں مرقوم ہے کہ شاہ جلال اودھی قدس سرہٗ حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کے خلفا میں سے تھے اور آپ کو سید بڈھی بھی کہتے تھے۔ عجب نہیں کہ یہی شاہ صاحب حضرت شیخ المشائخ کے خلیفہ تھے سلطان بابر کہ جو امیر تیمور کی نسل سے اپنے بچپن کے زمانہ میں خفیہ طور پر لباس تبدیل کر کے فقیروں کی طرح کابل سے شہر اودھ میں آیا۔ اُسوقت شہر اودھ میں سکندر لودھی کی سلطنت تھی اور مقام سلطنت کا ایک صدر مقام تھا۔ سلطان بابر نے شاہ جلال صاحب قدس سرہٗ اور حضرت موسیٰ عاشقاں کی خدمت میں حاضر ہو کر باطنی امداد طلب کی کہ ان بزرگوں کی دعا سے آبائی سلطنت ہندوستان اُن کے ہاتھ آ جائے۔

شاہزادہ بابر ان اصحاب سے رخصت ہو کر کابل کو گئے اور وہاں فوج مہیا کر کے ہندوستان کی طرف لائے اور پانی پت کے مقام پر سلطان سکندر لودھی سے لڑے کہ جس کا ذکر تواریخ میں مفصل مذکور ہے۔ بارھویں رجب المرجب ۹۲۳ھ کو فتح پائی اور ہندی تاریخ فتح حسب ذیل ہے۔

بارھویں رجب بار شکر وار	نوسے اوپر تھا بتیسا
بابر جیت براہیم بارا	پانی پت بھارت ولیسا

تاریخ مسجد بابری

چنانچہ بابر بادشاہ نے جو اقرار ان بزرگوں کے روبرو کیا تھا میر باقی کو اس کام پر مقرر فرماکر ایک عالیشان مسجد کہ ذکر اوس کا اوپر کیا جاچکا ہے تعمیر کرائی۔ مسجد کی تاریخ ممبر مسجد میں حسب ذیل کندہ ہے۔

بفرمودۂ شاہ بابر کہ عدلش — بنائیست با کاخ گردوں ملاقی

بنا کرد ایں مہبط قدسیاں را — امیر سعادت نشاں میر باقی

بود خیر باقی چو سال بنائش — عیاں شد کہ گفتم بود خیر باقی

اب یہ مسجد بابر شاہی ۱۹۳۴ء میں دفعہ ۱۴۵ میں قرق ہوگئی اب اس میں نماز نہیں ہوتی۔ اس مسجد بابر شاہی میں مؤلف کتاب ہذا عبدالغفار ۱۹۳۰ء سے امامت کرتا رہا۔ ۱۹۴۹ء میں جب قرق ہوگئی جب سے نماز پڑھنا بند ہوگیا۔

مقبرہ شاہ اویس

خانقاہ شاہ جلال کے مشرق جانب حضرت شاہ اویس کا مقبرہ ہے تقریباً ایک سو سال کا زمانہ ہوا کہ یہ شاہ صاحب اودھ کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ آپ نے شادی نہیں کی تھی۔ آپ کے دو چیلے حبیب وحبیب خیر نامی تھے۔ شاہ صاحب کی رحلت کے بعد یہ چیلے اپنی جاگیر میں جو اس شہر کے قریب میں تھی جاکر سکونت گزیں ہوئے۔ خطیب قادر بخش صاحب کہ جو اپنے آباد اجداد کے زمانہ سے جامع مسجد یعنی مسجد بابری کے خطیب تھے اور جن کی عمر سو سال تک پہونچی یہ فرماتے تھے کہ میرے والد نے مجھ کو میرے لڑکپن کے زمانہ میں ان شاہ صاحب کا مرید کرایا تھا۔ خطیب موصوف کے والد کا نام محمد روشن تھا۔ خطیب قادر بخش صاحب کی قبر شاہ صاحب موصوف کے مقبرہ کے نیچے ہے شاہ صاحب موصوف کا نہایت خوش قطع دخوش اسلوب ہے

مزار عاشق شاہ صاحب

اس مقبرہ کے جنوب میں لب سڑک عاشق شاہ صاحب کی قبر امام باڑہ معماران کے چبوترہ کے نیچے ہے بزرگوں کی زبانی سننے میں آیا ہے کہ شاہ صاحب بڑے فاضل ذی استعداد تھے اور اہل طریقت میں سے تھے اور لوگوں کو درس تدریس دیتے تھے۔ پہلے حالت سلوک میں تھے اس کے بعد حالت جذب میں آکر اس شہر سے غائب ہوگئے جب سلوک کی حالت میں پھر آئے تو اس شہر میں وارد ہوئے اور اس وقت

مثنوی معنوی شریف اور دیوان حافظ کا درس دیتے تھے۔ لب سڑک والی مسجد میں جسے پہلے کاغذی ٹولہ کی مسجد کہتے تھے کسی نے اس مسجد کے غسل خانہ کے مکان پر ایک بالا خانہ بنوا دیا تھا۔ یہ شاہ صاحب اسی بالاخانہ پر رہتے تھے اور اسی جگہ آپ نے رحلت کی۔ اس محلہ کے معماروں نے جو آپ کے معتقد تھے اپنے امام باڑے کے چبوترہ کے نیچے آپ کو دفن کیا۔ سید محمد علی صاحب رئیس شہر نے جو کہ مولوی سید جعفر علی صاحب فی الحال ساکن پرگنہ کے ماموں تھے۔ شاہ صاحب کے انتقال کی تاریخ اس مصرعہ میں اس طرح کہی۔ مصرع

آستان امام شد جایش

مسجد موصوفہ زمانۂ حال میں بالکل گری پڑی تھی۔ راقم کتاب ہذا کے والد ماجد کے ایک معتقد اول دوست شیخ امام بخش صاحب نے طیاری مسجد پر مکہ معظمہ کو ہجرت کی۔ اس کے بعد غسل خانہ مع چھت کے کہ جس پر شاہ صاحب رہتے تھے اب تک اسی قسم سے ہے۔ شیخ امام بخش صاحب نے تیاری مسجد پر مکہ معظمہ کو ہجرت کی۔ اس کے بعد والد ماجد نے پختہ چبوترہ کاعذیو سے بیع لے کر اس مسجد کے صحن کو پہلے بہت مختصر تھا، زیادہ کر۔ اب تک اس مسجد میں شاہ صاحب کے قیام کی برکت سے پنجوقتہ نماز جماعت سے ہوتی ہے۔ اس مسجد کے اتر جانب مجاوری ٹولہ یعنی خادمان درگاہ حضرت شیث علیہ السلام کا ہے۔ اس مسجد کے متصل سید عالم صاحب ایک بزرگ کی قبر ہے۔ بزرگان سلف سے سنتے ہیں آیا ہے کہ جلوان پورہ کے رئیس خود کو ان ہی بزرگ کی ذحبزی اولا سے کہتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ کہ سید نظام الدین اور سید شمس الدین کہ جو خانقاہ بنی بنا اور بجلیا شہید میں اور جن کا ذکر اوپر لکھا جا چکا ہے، انکے صاحبزادہ سید عالم صاحب تھے۔ اس کے بعد پچھم کی طرف محلہ سید واڑہ ہے۔ اس محلہ کا نام حضرت سید سلطان موسی عاشقاں قدس سرہ العزیز کے نام نامی کی ذات فیض برکات سے تھے۔ آپ رضوی نسب اور حضرت صدر الدین چراغ ہند کے خلیفہ تھے۔ جنکا مزار فیض انوار ظفرآباد ضلع جونپور میں ہے اور آپ خلیفہ اور صاحبزادہ حضرت رکن الدین ابو الفتح قدس سرہ کے تھے۔ جو خلیفہ حضرت صدر الدین عارف قدس سرہ کے تھے اور جن کے پیر و مرشد

حضرت بہاء الحق والدین ملتانی تھے۔ جو خلیفہ حضرت صدرالدین عارف قدس سرہٗ
اور جن کے پیر و مرشد حضرت بہاء الحق والدین ملتانی تھے۔ کہ جنکا مزار ملتان میں زیارت
گاہ خلق ہے اور جناب اپنے والد ماجد حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کے

مزار سید السلطان موسی عاشقان قدس سرہٗ

مرید تھے۔ جناب سید موسی عاشقاں قدس سرہٗ بادشاہان شرقیہ
جونپور کے زمانہ میں اودھ تشریف لائے۔ چونکہ اس زمانہ میں
اس جگہ کی ولایت حضرت شاہ جلال عرف سید بڈھی قدس سرہٗ
سے سپرد تھی۔ جنکا بیان اوپر گذر چکا ہے۔ لہذا آپ کی اجازت
سے اس جگہ استقامت فرمائی۔ کتاب مرأۃ الاسرار وغیرہ میں ذکر حضرت سلطان سید
موسی عاشقاں قدس سرہ کا مذکور ہے۔ آپ کی تاریخ رحلت ۸ صفر المظفر ہے۔ پہلے
عرس بھی ہوتا تھا۔ سید صاحب موصوف کے تین صاحبزادے تھے۔ چنانچہ ایک صاحبزادہ
کی اولاد سے قصبۂ سیدن پور پرگنہ رُدولی کے رؤساء ہیں جو ابھی وہاں سکونت پذیر ہیں
اور وہاں کی ریاست انکی اولاد کے قبضے میں ہے۔ آپ کے دوسرے صاحبزادہ نے
موضع ملہاپور قریب کلاں پور پرگنہ پرانگلی ضلع جونپور میں سکونت اختیار کی اور
وہاں آپ کی اولاد سے رئیس و زمیندار ہیں اور اکثر اس موضع کے رؤساء جو
دوسرے صاحبزادہ کی اولاد سے ہیں اس وقت صاحب لیاقت اور صاحب وقار ہیں
آپ کے بڑے صاحبزادہ نے جو کہ صاحب سجادہ تھے، اودھ میں سکونت اختیار کی۔ چنانچہ
آپ کے مسکن سے سید واڑہ محلہ کا لقب ہوا۔ راقم کتاب ہذا کے بچپن کے زمانہ میں
سید سلطان علی صاحب قبلہ عرف سید سلطان بخش صاحب مغفور موجود تھے۔ نہایت
قانع، متوکل اور صابر تھے۔ صورت، سیرت اور وضع میں نہایت خوب تھے۔ آپ کی
صورت سے بزرگی کے آثار ہویدا تھے۔ اکثر خانہ نشیں رہتے، اور اگر کبھی گھر سے باہر نکلتے
تو اولیاء اللہ کے مزارات پر جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کو یہاں کے مزارات سے ایسی اطلاع
تھی کہ اس شہر کے کسی اور بزرگ کو کمتر رہی ہوگی۔ میرے والد ماجد جناب کے ہمراہ اولیا
اللہ کے مزارات پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایسی متبرک اور نورانی صورت بہت کم دیکھنے
میں آئی۔ علم تواریخ اور انشاء میں کمال رکھتے تھے اور اس عاصی پر توجہ محبت قلبی
اور والد ماجد کے واسطہ سے نہایت شفقت کی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے سنہ ۱۲۶۴ھ میں

۷۵ سال کی عمر میں اس جہان سے رحلت کی اور اسی خانقاہ میں جنوب کی طرف اس خاکسار کے نانہال کے بزرگوں کا قبرستان ہے کہ اسی خاندان سے واسطہ دار تھے اور اسی خانقاہ کے قریب مکان تھے۔ اب خاکسار کے نانہال میں بجز نانی کی اولاد کے کوئی نہیں ہے۔ جو تھے وہ وجہ معاش کی وجہ سے دیگر جگہوں کو چلے گئے۔ محلہ سید واڑہ کے جنوب میں ایک پرانی مسجد ٹوٹی ہوئی ہے یہاں قبر حضرت

مزار حضرت کمال الدین

کمال الدین قدس سرہٗ کی ہے۔ جن کا ذکر حضرت جمال الدین قدس سرہٗ کے حالات میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔ یہ محلہ بھی مثل جمال الدین اولیا قدس سرہ کے کمال الدین کے نام سے محلہ مشہور تھا جو آپ کے بھائی تھے۔ ایک بزرگ سے یہ سننے میں آیا ہے کہ حضرت شاہ

مزار حضرت شاہ بھیکھا

بھیکھا قدس سرہٗ کہ جنکا مزار موضع بلہری ضلع فیض آباد میں ہے حضرت کمال الدین قدس سرہ نے فرزند تھے۔ آپ کا مزار موضع بلہری میں ایک پختہ احاطہ کے اندر ہے اور اس احاطہ کی اکثر قبریں خصوصًا شاہ بھیکھا صاحب قدس سرہ کی قبر بلہری میں ایک پختہ احاطے کے اندر ہے اور اس احاطہ کی اکثر قبریں خصوصًا شاہ بھیکھا صاحب قدس سرہ کی قبر مثل زمانۂ سابق کی قبروں کے ہے۔ راقم نے زیارت اس قبر کی کی ہے۔ محلہ

مزار عثمان شہید

کمال الدین کے جانب غوثی نورباف کے مکان کے پاس ہی شاہ عثمان شہید کی قبر ہے جو کہ نورباف کی اولادیں سے تھے اب تک ان بزرگ کا ۲۷ رجب کو عرس کرتے ہیں نہایت برکت اور رزق گھروالوں کو پہونچتا ہے۔ محلہ کمال الدین اولیا کے مغرب جانب ایک محلہ معروف بہ شاہ گدا

مزار شاہ گدا

قدس سرہ سے ہے۔ زمانۂ سابق میں ایک بہت بڑی خانقاہ تھی اور یہاں مزار حضرت شاہ گدا اور تین یا چار دیگر اصحاب کا ہے بہت سی قبروں کے نشان اس جگہ ظاہر ہیں بہت سی قبریں نالہ سے تلف ہوگئیں۔ میاں مصاحب اور میاں محب اللہ ہیں۔ جن کا سن ایک سو برس سے کچھ زائد تھا اور جو بال میں واہی ملک بقا ہوئے یہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنی والدہ سے سنا ہے کہ اس خانقاہ میں ایک بہت بڑا مقبرہ بنا تھا۔ نالہ کے پھٹ نکلنے سے شکست اور ضائع ہوگیا۔

یہ قبرستان تین سو بلکہ چار سو سال کا معلوم ہوتا ہے۔ ان بزرگ کا سلسلہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا اور نہ کسی بزرگ سے کچھ حال اُن کے زمانہ یا سلسلہ کا معلوم ہوسکا لیکن اس میں شک نہیں کہ جگہ فیض کی ہے اور یہ روحانی تصرفات کی جگہ ہے۔ ایک پختہ کنواں بھی ہے اس خانقاہ میں کہ جس کی جگت نالہ کی وجہ سے گر پڑی ہے۔ شجرہ نقشبند یہ میں وہ بزرگ شاہ گدا کے نام سے مندرج ہیں۔ یعنی گدا رحمان اول ودوم لیکن ان بزرگوں کا مسکن شجرہ سے معلوم نہ ہوا۔ اتر جانب اس کے محلہ چکر تیرتھ ہے اور کرارہ کے پاس ہی ایک ٹیلہ پر قبر نورالدین شہید کی ہے۔ اگلے زمانہ

مزار نورالدین شہید

میں دریا اس ٹیلہ کے نیچے آگیا تھا جس سے بہت سی قبریں برباد ہوگئیں اور جو باقی رہیں ان کا اینٹ اور چونہ اور گچ دریا میں چلا گیا۔ چنانچہ اس کرارہ میں سالم لاش دیکھنے میں آئی ہے۔ اس جگہ کے آثار سے جو کنکر وغیرہ کا ہے ٹیلہ پر جانے کا زینہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگلے زمانہ میں مقبرہ یا کوئی عمارت یہاں رہی ہوگی۔ ایک جگ نام میں جو زمانہ عہد محمد بادشاہ مطابق فرمان عہد نورالدین شاہ جہاں بادشاہ غازی نوراللہ مرقدہ تحریر ہوا تھا اور وہ کاغذ دھنتر گوشائیں کی اولاد کے پاس موجود تھا۔ راقم کتاب ہذا نے بچشم خود دیکھا ہے کہ تیس ۳۰ بیگہ زمین گوشائیں کے باپ دادوں کو بغرض آبادی وغیرہ دیا گیا تھا۔ اس جگ نامہ میں شمالی حد ٹیلہ قبر نورالدین شہید کی مندرج تھی۔ گوشائیوں کا محلہ اس وقت ٹیلہ کے جنوب میں موجود ہے اُس زمانہ میں جبکہ برسات تھی شہید موصوف کی قبر گر پڑی تھی، تمام عضو سالم نمودار تھے۔ حتیٰ کہ تمام دانت اپنی جگہ پر قائم تھے۔ چنانچہ کنکر سے اس قبر کو بند کر دیا گیا۔ ایک بہت بڑا درخت املی کا ان قبروں کے اوپر واقع ہے۔ چند قدم کے فاصلہ پر جنوب کی طرف ایک اور ٹیلہ ہے اس ٹیلہ پر بھی شہید مرد کی قبر مشہور ہے بلکہ اس کرارہ پر اور لوگ اس کی اینٹ وغیرہ اُٹھا کرنے گئے۔ اس ٹیلہ کے مشرق جانب ایک مسجد ہے جو راقم کے والد

مزار شاہ عبدالرؤف صاحب و مسجد

شاہ عبدالرؤف صاحب مغفور خلف شیخ سراج الدین علی انصاری متوطن سابق فتح پور از نسل شیخ قاسم انصاری بخاری نے بنائی تھی۔ اس مسجد کو خاکسار عبدالغفار نے

شہید کرا کے از سر نو پھر سے بہت مضبوط بہ نگرانی عبد الرشید صاحب مرحوم و مغفور کے چندہ کرکے بنوادی جو بفضلہ آباد ہے۔ اس مسجد کے اُتر جانب راقم کے والد ماجد کی بھی قبر ایک احاطے میں واقع ہے۔ قبر کے سرہانے ایک درخت گلاب ہمیشہ سرسبز رہتا ہے جس کی بو نہایت خوشبودار ہے۔

مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم و مغفور کی مختصر سوانح عمری

مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم و مغفور کے مورث قصبہ سہالی کے رہنے والے تھے۔ قصبہ سہالی ایک ایسا مشہور قصبہ اس زمانہ میں تھا جہاں اسے بہت سے علماء و صلحا ہندوستان میں شہرۂ آفاق ہوگذرے ہیں۔ دارالعلم والعمل فرنگی محل کے نامور علماء و فضلاء کا وطن مالوفہ یہی قصبہ تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۹ ار جمادی الثانی ۱۲۳۵ھ روز جمعہ کو ہوئی۔ آپ نے عربی و فارسی کی تحصیل پہلے اپنے والد ماجد سے بعدہٗ اودھ کے دیگر علماء سے حاصل کی آپ نے ڈیڑھ ہی سال کی عمر میں اپنی ماں کا دودھ ترک کردیا۔ آپ کو اپنی چھٹی کے کل حالات سے کماحقہ واقفیت تھی۔ آپ کچہری میں تیس ستیس سال کی عمر سے عدالت فوجداری میں ملازم تھے ہمیشہ آپ کا یہ دستور تھا کہ نماز عشا مسجد نات شاہ بار اشاہ فیض آباد میں پڑھتے۔ اور دس گیارہ بجے تمام قبرستانوں پر فرداً فرداً فاتحہ پڑھتے ہوئے ڈھائی بجے رات کو مکان تشریف لاتے۔ ایک مرتبہ راستہ میں ایسی آندھی چلی کہ آپ راستہ بھول گئے دو شخص سفید پوش مکان تک پہونچا کے غائب ہوگئے! آپ بڑے عابد اور غریب پرور تھے۔ تمام غریبوں و بیواؤں کے نام رجسٹر میں درج رکھتے تھے جب آپ کو تنخواہ ملتی تھی توسب کو تقسیم کردیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو چوروں نے گھیرا اور کہا کہ جو کچھ ہو ہمکو دے دو آپنے فرمایا کہ اسوقت کچھ نہیں ہے۔ فلاں روز تنخواہ ملے گی تم لوگ یہیں ملنا تو دونگا چنانچہ جب تنخواہ ملی آپ وہاں تشریف لے گئے اور چوروں کو نہ پاکر آواز دیکر پکارا چور لوگ فوراً حاضر ہوئے۔ آپ نے کل تنخواہ چوروں کے سامنے رکھدی اور کہا کہ اس میں سے غریبوں اور بیواؤں کا حق نکال کر اس قدر حاضر ہے۔ چوروں نے

نہیں لیا بلکہ مکان تک پہونچا گئے۔ آپ جب حج کو تشریف لے گئے تھے اپنی سواری دوسرے ہمراہی کو دیدی تھی اور خود پاپیادہ تشریف لے گئے۔ راستہ میں بددوؤں نے آپ کے دندان مبارک شہید کرڈالے۔ دندان مبارک کی کل جگہ ناسور ہوگیا تھا۔ آپ نے بددوؤں کو بددعا تک نہ دی اور نہ گھر میں کسی کو مطلق خبر کی۔ آپکی حیات میں دو شخص درویش تشریف لایا کرتے تھے۔ آپ ان سے خلوت میں کچھ دیر باتیں کرتے پھران کے لئے مکان سے کچھ کھانا لے جاتے وہ لوگ کھانے میں اس قدر پانی ملاتے کہ کھانا بدمزہ ہوجاتا۔ کھانا کھاکر وہی پانی پی لیتے بعد آپکے ان درویشوں کی پھر زیارت نہ ہوئی۔ لوگوں کے بہت مجبور کرنے سے اور اتباع سنت کے خیال سے شادی کی۔ اور اس شادی سے مولوی عبدالصمد و مولوی عبدالواحد صاحب دو صاحبزادے ہوے۔ مولوی عبدالصمد صاحب آپ کی حیات ہی میں انتقال فرما گئے تھے اور مولوی عبدالواحد اب تک حیات رہے۔ بروقت رحلت آپ نے بیٹے مولوی عبدالواحد سے وصیت کی کہ ہمکو خوردمکہ میں مدفون کرنا۔ آپ نے ایک مدرسہ بھی اپنی مسجد کے حجرے میں جاری کیا تھا۔ جس میں حافظ حبیب اللہ صاحب پڑھاتے تھے جو اب تک بفضلہ حیات ہیں آپ کا ہمیشہ یہ اصول تھا کہ ہر ماہ میں اپنے طالبعلموں کی دعوت کرتے۔ آپ کو کئی مرتبہ پنشن پیش ہوئی مگر لینے سے انکار کیا حکام بہت ہی لحاظ کرتے تھے۔ آپکو مہماں نوازی کا بہت شوق تھا۔ ہمیشہ دس بارہ مہمان مکان پر مقیم رہا کرتے تھے۔ آپ مہمانوں کو اپنے ہمراہ لے کر مزاروں پر فاتحہ خوانی کی غرض سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ مریضوں کو فلفل سیاہ دیا کرتے تھے۔ خداوند عالم بیماروں کو صحت دیتا تھا۔ آپ نے اُنہتر سال پانچ ماہ انیس روز رہ کر ۶؍ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ بروز سہ شنبہ گذر کر شب سہ شنبہ کو ملک جاودانی کی راہ لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بروز سہ شنبہ کو گیارہ بجے دن کو خوردمکہ میں مدفون ہوے۔ آپ کے بعد وفات اس قدر مینھ برسا کہ جب لوگ دفن کرکے واپس ہوے تو سڑکوں پر پانی تھا۔ آپ کی وفات کا حال سُن کر حکام نے عدالتیں اور سوداگران نے دوکانیں بند کردیں آپ کے جنازہ کے ساتھ کم از کم بارہ سو آدمی اور ڈیڑھ ہائی سو گاڑیاں تھیں۔ اور لوگ چھ روز تک برابر سی دیتے رہے۔ فیض آباد میں کئی جگہ

آپ کا سوئم و فاتحہ ہوا۔ چھ روز تک سوئم و فاتحہ ہوا۔ چھ روز تک متواتر مکان پر کھانا تقسیم ہوتا رہا۔ آپ نہایت متقی تھے۔ اور نہایت منکسر المزاج اور قانع ہمیشہ سادہ لباس گاڑھے کا پہنتے تھے۔ اور ہر مسلمان کے جنازہ میں جسکی خبر ہوتی شریک ہوتے تھے۔ آپ تین بھائی اور ایک ہمشیرہ تھیں۔ منجھلے بھائی مولوی عبدالرحیم صاحب نے مولوی امیر علی صاحب امیٹھوی کا ساتھ دے کر شجاع گنج تھانہ کھلسترمیں جام شہادت پیا۔ ان کی اولاد میں مولوی عبدالرشید صاحب اور ان کی ہمشیرہ صاحبہ اب تک حیات ہیں اور دو حج کر چکے ہیں۔ آپ کے سب سے چھوٹے بھائی عبدالغنی صاحب نے حیدر آباد سندھ میں جاکر درویشی لی اور وہیں انتقال فرمایا۔

مختصر حال جناب مولوی عبدالرحیم صاحب شہید

خاکسار عبدالغفار کے منجھلے جدامجد مولوی عبدالرحیم صاحب آپ مولانا عبدالکریم صاحب کے چھوٹے حقیقی بھائی تھے۔ آپ کی پیدائش ۲۰ر جمادی الاول ۱۲۴۲ھ روز یکشنبہ کو ہوئی آپ نے بھی عربی و فارسی کی تحصیل اپنے والد ماجد جناب شاہ عبدالرؤف صاحب سے کی اور کئی چلہ کشی کی جس میں ہوے آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ اب انگریزی ہونے والی ہے۔ والد ماجد نے میرے پیر میں ایسی بیڑی ڈال دی یعنی دشادی کر دی تھی، کہ میں مجبور ہوں ورنہ جنگل چلا جاتا اور وہیں جنگلوں کی پتیاں کھا کر گذر کرتا۔ آپ کو شہادت کا حد درجہ شوق تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ خاکسار کے بزرگوں کا ایک موضع بلیھرام پور ضلع لکھنؤ میں تھا۔ آپ وہاں تشریف رکھتے تھے۔ جب کہ آپ نے سنا کہ اجودھیا میں بلوہ ہوا تشریف لائے اور بہت ملال کیا اور اپنے بڑے بھائی یعنی مولوی عبدالکریم سے بہت ناخوش ہوے اور فرمایا کہ آپ کیوں شہید نہیں ہوے انھوں نے جواب میں فرمایا کہ جب بلوہ ہوا تھا میں جامع مسجد میں موجود تھا لیکن چار شخص شہید ہو چکے تو میں مکان پر آیا کہ بھاوڑا لے کر مقتولوں کی لاش کو دفن کروں۔ جب میں بھاوڑا لے کر گیا تو جامع مسجد کا دروازہ بند پایا۔ مجبوراً واپس آیا۔ جب آپ نے سنا کہ مولوی امیر علی صاحب امیٹھوی نے جہاد کا جھنڈا کھڑا کیا ہے۔ آپ کو بہت خوشی ہوئی اور اسی وقت سے تیاری شروع

کر دی. آپ کی والدہ ماجدہ نے بہت سمجھایا اور اصرار کیا کہ بیٹا تم خانہ کعبہ جانے کو کہتے تھے تم وہیں چلے جاؤ. آپ نے کہا کہ ہاں اماں میں آگے کا کھلا ہوا دروازہ جنت کا چھوڑ کے پیچھے سے جاؤں گا جب کہ آپ تشریف لے جانے لگے تو آپ کی زوجہ محترمہ نے فرمایا کہ تم تو شہید ہونے جا رہے ہو۔ یہ ضعیفہ جو بہت زور سے بولتی ہیں ہماری کیسے گذر ہوگی. آپ نے فرمایا کہ جسوقت میں شہید ہونگا۔ اسی وقت سے تم کان سے اسقدر کم سنوگی کہ کسی کی آواز تمہارے کان میں مطلق نہ جاوے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا. چلتے وقت تمام گھر کے لوگوں کو اور اپنے بال بچوں کو خدا کے سپرد کیا اور سب کو گریہ و زاری کرتے چھوڑ کے گھوڑے پر سوار ہو کر رخصت ہوے اور مولوی امیر علی صاحب کے دولت خانہ پر تشریف لے گئے اور مولوی صاحب کے جتھے کے ساتھ رحیم گنج تشریف لائے. شہادت کے وقت آپ نے ایک رقعہ لکھ کر جو کہ بطور وصیت کے تھا گھوڑے کے گلے میں ڈال دیا اور کل اسباب مع لوٹا ڈوری کے گھوڑے پر رکھدیا اور گھوڑے سے کہا کہ میں بعد نماز ظہر شہید ہونگا. تو تم مکان واپس چلے جانا. چنانچہ جب آپ شہید ہو گئے. گھوڑا گریہ و زاری کرتے ہوے مکان پر واپس آیا اور جب تک مکان پر رہا روتا ہی رہا۔ آپ کی کل عمر ۲۸ سال ۶ ماہ چھ روز کی تھی۔ ۲۶ رصفر ۱۲۷۲ھ روز چہارشنبہ کو آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

آپ کے تین اولادیں ہوئیں ایک مولوی عبدالرشید صاحب اور ان کی دو بڑی ہمشیرہ کی عمر چھ سال اور دوسری کی عمر تین سال تھی۔ اور مولوی عبدالرشید صاحب کی اسوقت کل عمر ایک سال چھ ماہ تھی۔

حاجی مولوی عبدالرشید صاحب جو کہ بہت معمر اور سن رسیدہ بزرگ تھے. چار حج متواتر کیے اور اللہ پر توکل تھا. قریب نوے برس کی عمر پائی۔ ۱۳۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔

مولوی عبدالواحد صاحب

آپ کے والد ماجد کا نام مولوی عبدالکریم صاحب تھا. آپ کی پیدائش ۱۲۷۲ھ روز شنبہ کو ہوئی آپ بہت حق نیک تھے آپ کی چھ اولادیں ہوئیں

ایک مولوی عبدالقادر صاحب دوسرے مولوی عبدالوحید صاحب تیسرے مولوی عبدالوہاب صاحب چوتھے مولوی عبداللطیف صاحب اور انکی دو ہمشیرہ عزیزہ
آپ نے اس دنیا میں ۷۷ سال دس ماہ بارہ روز رہ کر یکم جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ روز شنبہ کو ملک جاودانی کی راہ لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی قبر مسجد کی بغل میں دوسرے احاطہ میں موجود ہے۔ مولوی عبدالرحیم صاحب کی چھوٹی صاحبزادی مولوی عبدالواحد صاحب کو بیاہی تھیں۔ جن سے ہم لوگ ہیں۔

مولوی عبدالقادر صاحب

مولانا عبدالکریم کے بڑے پوتے ۲۹ر رمضان المبارک ۱۲۸۹ھ مطابق ۲۵ر نومبر ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں آپ بہت زیادہ گراں گوش تھے۔
صوم وصلوٰۃ کے پوری طرح پابند تھے۔ تہجد گزار بزرگ تھے۔ دعا تعویذ سے خلق خدا کو حسبتاً للہ فائدہ پہونچاتے تھے۔ حد سے زیادہ مرنجاں مرنج تھے۔ ۱۰ر ذیقعد ۱۳۴۸ھ ہجری مطابق ۱۲ر اپریل ۱۹۳۰ء کو رحلت فرمائی اور مسجد کے باہری احاطہ میں ان کا مزار آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔
مولوی عبدالقادر صاحب نے اپنی یادگار ایک کاتب الحروف بندہ عبدالغفار اور ایک صاحبزادی بیوہ مولوی بندہ رضا صاحب چھوڑیں۔ حاجی عبدالغفار کے تین لڑکے محمد صابر منصور علی محمد نظر موجود ہیں۔

مادرِ مغفور کی یاد میں

عبد قادر کی زوجۂ مغفور
پاک دامن فرشتہ خصلت تھیں

ایک مرقع تھیں وہ محبت کا
اک سراپائے نقشِ اُلفت تھیں

نیک دل، نیک خو حیا پرور
ایک فانوس بزمِ عفت تھیں

اپنے شوہر کی خلد آسائش
اپنے بیٹوں کے حق میں رحمت تھیں

کیوں نہ مریم صفت انہیں کہیے
پاک باطن تھیں صاف طینت تھیں

ان کی معصوم زندگی کی قسم!
وہ گرانقدر بیش قیمت تھیں

باغِ دُنیائے بے بقا میں وہ
گل نہیں تھیں تو اسکی نکہت تھیں

چل بسیں دفعتًا سوئے جنّت
جو حقیقت میں خود ہی جنّت تھیں

مختصر یہ مرے لئے غفّار
ابرِ رحمت تھیں بحرِ شفقت تھیں

سوگوار

مولوی عبدالغفار عفی عنہٗ